حقیقی تعلیماتِ اسلامیہ امامیہ کا بے باک ترجمان

ماہنامہ
دقائقِ اسلام
سرگودھا

اگست سنہ ۲۰۱۴ء

فرزند ربّ الکعبۃ
علی

زیرِ انتظام جامعہ علمیہ سلطان المدارس الاسلامیہ
زاھد کالونی عقب جوہر کالونی سرگودھا
فون: 048-3021536
Website: www.sibtain.com Emails: smi51214@gmail.com Sultanulmadarisislamia@gm

جلد ۱۸ | اگست ۲۰۱۴ء | شمارہ ۸

فہرست مضامین

اداریہ		۲
باب العقائد	اہل ایمان کی شرعی تکلیف	۳
باب الاعمال	وٹہ سٹہ کی شادی	۷
باب التفسیر	دو آیات کے شانِ نزول کا بیان	۸
باب الحدیث	لوگوں میں صلح صفائی کرانے کا اجر و ثواب	۱۱
باب المسائل	مختلف دینی و مذہبی سوالات کے جوابات	۱۲
باب المتفرقات		
	ہم ہیں بچوں کے ساتھ (قسط ۷)	۱۸
	تحقیق کے چراغ (قسط ۸)	۲۳
	جہاد فی سبیل اللہ	۳۴
	مختار ثقفی کون تھے؟	۳۸
اخبارِ غم		۴۰

مدیرِ اعلیٰ: ملک ممتاز حسین اعوان

مدیر: گلزار حسین محمدی

پبلشر: ملک ممتاز حسین اعوان

مطبع: انصار پریس بلاک ۱۰

مقامِ اشاعت: جامعہ علمیہ سلطان المدارس سرگودھا

کمپوزنگ: الخطّاط کمپیوٹرز 0307-6719282

فون: 048-3021536

زرِ تعاون 400 روپے

لائف ممبر 5000 روپے

اداریہ

اتحادِ اُمتِ مُسلمہ

کلی طور پر اتفاق واتحاد کی برکت ایک ناقابل انکار حقیقت ہے، اسلامی تعلیمات میں اس عظیم معاشرتی نکتہ پر خاص طور پر توجہ دی گئی ہے، یہاں تک کہ ہٹ دھرم مشرکین کے سامنے جب رسولِ اکرم ﷺ نے اسلام پیش کیا اور اسے احسن طریقہ سے ابلاغ فرمایا اور مشرکین نے آپ کے پند ونصائح کی چنداں پرواہ نہ کی اور اپنے شرک وکفر پر اڑے رہے اور نوبت جنگ وجدال تک پہنچنے لگی تو داعی امن عالم نے زبان وحی ترجمان سے یوں فرمایا:"لکم دینکم ولی دین" کہ" تمھارا دین تمھارے لیے اور میرا دین میرے لیے"۔ ان کے لیے راہِ انتشار بند کر دی تاکہ ان کے معاشرے کا امن تباہ نہ ہو اور معاشرہ انسانی فلاح وبہبود کے لیے کام کرتا رہے اور ہر شخص انسان ہونے کے ناطے ایک دوسرے کے کام آتا رہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:"لا تنازعوا فتفشلوا" آپس میں نزاع نہ کرو کہ کمزور پڑ جاؤ۔ انتشار وافتراق باہمی کمزوری کا بنیادی سبب ہے۔ اسی لیے قرآن حکیم میں" واعتصموا بحبل اللہ جمیعا" کا نہایت تاکیدی حکم دیا ہے۔ اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھامے رہو اور آپس میں تفرقہ نہ کرو۔ کیونکہ گروہ بندی اور پابندی ذات ایسے مفاسد ہیں جو قوموں کی ترقی میں بڑی رکاوٹ ہیں۔ مسلم اقوام اور ممالک کی زبوں حالی اور پستی کا سبب بھی یہی ہے۔ آج اگر منصفانہ نظر سے دیکھیں تو واضح ہو جائے گا کہ کس طرح انتشار وا ختلاف کا زہر شیرینی میں لپیٹ کر دیا جا رہا ہے۔ کہیں قومیت کا خوبصورت نعرہ دیا جاتا ہے، کہیں لسانیت اور مسلک ومذہب کا مسئلہ کھڑا کر دیا جاتا ہے۔ یہ حال تقریباً تمام مسلم ممالک میں موجود ہے۔ خُصُوصاً مملکت خداداد پاکستان جو بحمد اللہ ترقی کی منازل طے کر رہا ہے اور عسکری لحاظ سے ایک ناقابل تسخیر اسلامی قلعہ بن گیا ہے۔ عالمی طاغوتی طاقتیں اور یہودی لابی اس ملک کے امن کو تباہ کرنے کے درپے ہے۔ لہٰذا ایک مُسلمان ہونے کے ناطے بالخصوص پاکستان۔ ہمارا اولین فریضہ ہے کہ دشمنانِ اسلام کی چالوں کو سمجھیں اور ان کا سدباب کرنے کی جدوجہد کریں اور اپنے مذہب وملک کا دفاع کریں۔ جو صرف اتحاد ووحدت سے ہی ممکن ہے۔ خاص طور پر شیعہ حضرات جن کے بارے میں طاغوتی طاقتوں کو یقین ہے کہ اگر اسلام ناب محمدی کا دفاع کوئی ملت کر سکتی ہے تو یہ کربلا سے تمسّک رکھنے والی قوم ہی کر سکتی ہے۔ جیسا کہ لبنان میں اس کا تجربہ کر لیا ہے، اس لیے وہ ہر صورت اس ملت کو مٹانے کے درپے ہیں۔ ان کے پاس انتشار وافتراق پیدا کرنے اور قوم کو اہل علم سے دور بھگانے کے سوا کوئی راستہ نہیں ہے، تاکہ یہ مرکز سے ہٹ کر بکھر جائیں۔ ملت جعفریہ کے ہر فرد کا یہ فرض ہے کہ وہ خودساختہ عقائد واعمال سے پرہیز کرتے ہوئے مرکز اجتہاد سے تمسّک کرے تاکہ ملت کے اندر گھس آنے والے دشمن کے ایجنٹوں سے قوم کو بچایا جا سکے اور کلمہ وحدت کے ذریعے یک آواز ہو کر یہودیوں کے عزائم کو خاک میں ملایا جا سکے۔ اور بانی اسلامؐ اور ائمہ معصومینؑ کی حقیقی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر دنیوی اور اخروی نجات حاصل کی جا سکے۔ ؎

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاکِ کاشغر

(اقبالؒ)

باب العقائد

غیبت کبریٰ کے زمانے والے اہل ایمان کی شرعی تکلیف

تحریر: آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین نجفی مدظلہ العالی موسس و پرنسپل جامعہ سلطان المدارس سرگودھا

یہ حقیقت محتاج بیان و برہان نہیں کہ زمانہ غیبت کبریٰ والے لوگوں کو ائمہ طاہرین علیہم السلام نے شتر بے مہار کی طرح خلیع العذار اور مُطلق العنان نہیں چھوڑا بلکہ ان کو امام زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ نے یہ حکم دیا ہے کہ:

اما الحوادث الواقعة فارجعوا فيها الى رواة احاديثنا فانهم حجتي عليكم وانا حجة الله

(احتجاج طبرسی صفحہ ۲۶۳ طبع نجف اشرف)

یعنی ہمارے زمانہ غیبت میں تمھیں جو دینی مسائل و ضروریات درپیش آئیں ان میں ہمارے راویانِ اخبار یعنی محدثین کبار و مجتہدین ابرار کی طرف رجوع کرنا کیونکہ وہ میری طرف سے تم پر حجت ہیں اور میں ان پر حجت خدا ہوں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

ينظران من كان منكم قد روى حديثنا و نظر في حلالنا و حرامنا و عرف احكامنا فليرضيا به حكما فاني قد جعلته عليكم حاكما فاذا حكم بحكمنا و لم يقبل منه فانما بحكم الله استخف و علينا رد و الراد علينا كافرا و على الله والرد على الله و هو على حد الشرك بالله

جن دو شخصوں میں کوئی نزاع ہو وہ دیکھیں کہ تم میں سے جو شخص ہماری حدیثوں کا راوی ہو، ہمارے حلال و حرام پر (تحقیقی) نظر رکھتا ہو اور ہمارے احکام کی (فقہی) معرفت بھی رکھتا ہو، اسے اپنا (دینی) حاکم تسلیم کریں، کیونکہ میں اس شخص کو (عمومی طور پر) حاکم بناتا ہوں۔ پس جب وہ (ہمارے احکام کے مطابق) کوئی فیصلہ کرے اور اسے قبول نہ کیا جائے تو رد کرنے والا یہ سمجھے کہ اس نے اللہ سبحانہ کے حکم کو خفیف سمجھا ہے اور (اس عالم کے فیصلہ کو نہیں بلکہ) ہمارے فیصلہ کو رد کیا ہے اور ہمارے فیصلہ کو رد کرنے والا کافر اور (گویا) خدا کے فیصلہ کو ٹھکرانے والا ہے اور یہ کھلا ہوا خدا کے ساتھ شرک ہے۔

(احتجاج طبرسی صفحہ ۱۹۵)

لہٰذا چاہیے تو یہ تھا کہ ہمارے عوام اہل ایمان میں یہ شعور و احساس ہوتا کہ اگر کسی کتاب پر عمل کرنا چاہتے تو پہلے ان وارثانِ شریعت سے اس کی توثیق کراتے یا اگر کسی عالم سے دینی مسائل دریافت کرنا چاہتے تو پہلے ان حجج اسلام سے اس کے علم و فضل اور دین و دیانت کی تصدیق کراتے، پھر دینی معاملات میں ان کے بیان پر اعتماد کرتے۔ اسی طرح اپنے اعتقادات کو علمائے عظام کی خدمت میں پیش کر کے ان کی صحت و صداقت پر ان سے مہر توثیق لگواتے تاکہ سعادت دارین و فلاحِ کونین حاصل

کرتے مگر آہ ؎

کیا پوچھتے ہو عالم رفتارِ عہد نو
ہر سمت لبس فریب کا بازار گرم ہے

آج عام لوگ حقیقت سے اس قدر دور ہو چکے ہیں کہ ان کو حقیقی علماء کی پہچان ہی نہیں ہے تو پھر ان کی طرف رجوع کیوں کر کریں گے وہ تو صرف اسے ہی عالم دین سمجھتے ہیں جو منبر پر کوس لمن الملک الیوم بجاتا ہے اور رقص منبری میں مہارتِ تامہ رکھتا ہے اور غلط یا صحیح مبذل قسم کے نکتوں سے مجمع کو خوب اچھال سکتا ہے اور خود اپنے منہ سے عالم و علامہ ہونے کا اعلان کرتا ہے، حالانکہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

من قال انا عالم فهو جاهل (منية المريد از شہید ثانیؒ)

جو شخص خود یہ کہے کہ میں عالم ہوں سمجھ لو کہ وہ جاہل ہے۔

یا پھر دنیا والے اسے عالم اجل و فاضل بے بدل سمجھتے ہیں، جس کا لباس زرق برق اور جبہ و دستار قیمتی و نفیس ہو۔ جناب پیغمبر اسلامؐ روحی لہ الفداء نے شاید اسی زمانہ کے متعلق فرمایا تھا:

سياتي على امتي زمان لا يعرفون العلماء الا بثوب حسن

میری امت پر ایک ایسا دور بھی آئے گا کہ وہ علماء کو صرف عمدہ لباس سے ہی پہچانیں گے۔

(جامع الاخبار صفحہ ۱۳۰ طبع نجفِ)

بھلا عوام الناس کی یہ حالت کیوں نہ ہو جب کہ آج منبروں پر بعض غیر ذمہ دار لوگ گلا پھاڑ پھاڑ کر عوام الناس کو علمائے اعلام و مجتہدین کرام سے (ان پر کئی قسم کے غلط اتہام و الزام لگا کر) بدظن کرنے اور ان کو اپنے دینی و ایمانی مراکز سے علیحدہ کرنے میں شب و روز مشغول و منہمک ہیں، حالانکہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ: ؎

قوموں کے لیے موت ہے مرکز سے جدائی
ہو صاحب مرکز تو خودی کیا ہے خدائی

ایک مشہور مغالطہ کا ازالہ

کچھ اہل غرض لوگ یہ کہہ کر کہ اصولِ دین میں تقلید جائز نہیں ہے، لہٰذا عقائد میں ہر شخص آزاد ہے، اسے اپنی تحقیق کے مطابق عقیدہ رکھنا چاہیے۔ اس طرح یہ لوگ سادہ لوح عوام کے دین و ایمان پر ڈاکا ڈالتے ہوئے ان کو عقائد جیسے نازک معاملہ میں شتر بے مہار بننے کی تلقین کر کے علمائے اعلام سے دور رکھنے کی مذموم کوشش کر رہے ہیں، حالانکہ یہ بات اظہر من الشّمس ہے کہ قطع نظر اس اختلاف کے کہ جو اصولِ دین میں تقلید کے جواز یا عدم جواز میں ہے۔ کیونکہ یہ بجائے خود انتہائی پیچیدہ اور مشکل مسائل میں سے ہے۔ چنانچہ محقق قمی علیہ الرحمہ قوانین الاصول جلد ۲ صفحہ ۱۶۴ میں فرماتے ہیں: هذه المسئلة من المشكلات۔

اور بہت سے علماء اعلام اصولِ دین میں بھی تقلید جائز سمجھتے ہیں۔ جیسے محقق طوسیؒ (در قواعد العقائد) محدث ملا محسن فیضؒ (در علم الیقین) علامہ شیخ انصاریؒ (در رسائل) مولانا راحت حسین گوپالپوریؒ (در تفسیر انوار القرآن)

بہر حال بنا بر مشہور کہ اصولِ عقائد میں تقلید جائز

نہیں) ہے تو بھی اس کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں کہ آدمی فروع میں پابند اور اصول میں شتر بے مہار کی طرح آزاد ہے کہ جو جی میں آئے وہ عقیدہ رکھے۔ حاشا وکلا بلکہ اس کا صاف وصریح مطلب یہ ہے کہ عقائد میں بلا دلیل کسی بات کا ماننا درست نہیں ہے۔ کیونکہ تقلید کا اصطلاحی مفہوم یہ ہے کہ قبول قول الغیر من غیر دلیل (معالم، قوانین اور کفایہ وغیرہ) یعنی بلا دلیل کسی (مجتہد) کے قول کو تسلیم کرنے کا نام تقلید ہے۔ بنا بر مشہور عقائد میں تقلید کے ناجائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ تقلید سے جزم ویقین حاصل نہیں ہوتا اور اصول وعقائد میں یقین محکم درکار ہے۔

اصول اعتقاد میں اخبار احاد پر اعتماد جائز نہیں

یہی وجہ ہے کہ ہر وہ چیز جو موجب یقین نہ ہو، اصول عقائد میں اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا، جیسے آیات متشابہات اور اخبار آحاد [1] (غیر متواترہ) (حدیث کی دو قسمیں ہیں، متواتر، اور واحد۔ ہر وہ حدیث جس کو ابتدا سے آخر تک اس قدر جماعت کثیرہ نقل کرے جس کا جھوٹ پر اتفاق کرنا عادةً محال ہو۔ اسے خبر متواتر کہا جاتا ہے۔ اور جو حدیث اس طرح نہ ہو اسے خبر واحد کہا جاتا ہے۔ پھر خبر واحد کی کئی قسمیں ہیں: ولیس ھھنا مجال للتفصیل۔ یہ مختصر وضاحت صرف اس لیے کر دی گئی ہے کہ ہمارے برخلاف وعظ کرنے اور قلم اٹھانے والوں میں ایسے فضلاء کی بھی کوئی کمی نہیں ہے جن کو خبر واحد کا اصطلاحی مفہوم بھی معلوم نہیں ہے۔ بلکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ خبر واحد وہ ہوتی ہے جو صرف ایک کتاب میں موجود ہو اور اگر دو تین کتابوں میں درج ہو جائے تو پھر وہ خبر واحد نہیں رہتی۔ بدیں عقل و دانش بباید گریست (منہ عفی عنہ)

علمائے اعلام میں ان امور کی تصریحات فرمائی ہیں۔ چنانچہ:

① جناب آقائے شعرانی مقدمہ شرح اصول کافی ملا صالح مازندرانی جلد ۱ صفحہ ۱۱ پر لکھتے ہیں:

ثم من اھم ما یجب ان یعلم ان الاعتماد فی الاصول علی العقل و الکتاب و الاخبار المتواترۃ و بالجملۃ ما یوجب الیقین دون اخبار الاحاد

یعنی سب سے اہم بات جس کا جاننا واجب و لازم ہے وہ یہ ہے کہ اصولِ عقائد میں صرف عقل سلیم (مُسلماتِ عقلیہ) قرآن مجید (آیاتِ محکمات) اور اخبارِ متواترہ غرضیکہ ہر وہ چیز جو موجب یقین ہو اس پر اعتماد کرنا چاہیے نہ کہ اخبارِ آحاد پر۔

② رسالہ "ہدیۂ رضویہ" صفحہ ۳۵ طبع مراد آباد پر مرقوم ہے:

سائر محققین آنرا ذکر فرمودہ اند و آں آنست کہ در مرحلہ اعتقاد عمل بر اخبار احاد روا نیست۔

③ سید العلماء سید حسین لکھنوی حدیقہ سلطانیہ جلد ۱ صفحہ ۸۷ پر ایک حدیث کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

فلکونھا من اخبار الاحاد وھی لا تصلح للاستناد فی اصول الاعتقاد

یہ حدیث اخبار احاد میں سے ہے اور اصول اعتقاد میں ان پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

④ جناب موصوف کے والد عظیم سرکار غفران مآب قدس سرہ اپنی کتاب اساس الاصول طبع لکھنو صفحہ ۸۰ پر تحریر فرماتے ہیں:

فان التعویل علی الاحاد فیہا غیر معقول

یعنی اصولِ دین میں اخبار احاد پر اعتماد کرنا غیر معقول ہے۔

⑤ اسی طرح فاضل جلیل شیخ حسن بن شہید ثانی قدس سرہما اپنی کتاب معالم صفحہ ۱۷۳ پر لکھتے ہیں:

فان التعویل علی الاحاد فیہا غیر معقول

اصولِ دین میں اخبار احاد پر اعتماد کرنا غیر معقول ہے۔

وجہ ظاہر ہے کہ اخبار احاد چونکہ موجب جزم و یقین نہیں ہوتیں، حالانکہ اصول عقائد میں علم و یقین کا حاصل کرنا لازم ہے، فتدبر۔

بہرحالِ اصول دین میں تقلید کے ناجائز ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اس سلسلہ میں علماء و مجتہدین کی طرف رجوع کرنا شجرۂ ممنوعہ ہے حاشا وکلا، بلکہ مقصد یہ ہے کہ رجوع تو اصول وفروع دین میں بہرحال علماء اعلام ہی کی طرف کرنا ہے، ہاں اصول وفروع میں فرق صرف اس قدر ہے کہ فروع دین میں بلا تقاضائے دلیل ان کا حکم ماننا لازم ہے، مگر اصول دین میں دلیل کا تقاضا کیا جائے گا، تاکہ عقیدہ بالدلیل ہو نہ کہ بالتقلید ع

اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کردیا

ورنہ ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ اگر علماء اعلام کی طرف رجوع کرنا ممنوع ہے تو کیا پھر اس سلسلہ میں جہلاء کی طرف رجوع کیا جائے گا؟ یا اپنے اپنے آراء فاسدہ و خیالاتِ کاسدہ پر اعتماد کیا جائے گا۔ یا حاطب اللیل قسم کے اہل علم کی لکھی ہوئی رطب و یابس سے لبریز کتب و رسائل پر عمل درآمد کیا جائے گا۔ مالکم کیف تحکمون؟

علاوہ بریں یہاں یہ بات بھی نظرانداز کرنے کے قابل نہیں ہے کہ اگر اصول دین میں یہ دھاندلی روا سمجھی جائے تو پھر باطل پرست فرقوں کو بھی ناجی تسلیم کرنا پڑے گا، اور کسی اہل حق کو ان کے برخلاف لب کشائی کی کوئی گنجائش نہ ہوگی، کیونکہ بنابریں قاعدہ وہ اپنے غلط عقائد کے متعلق یہ عذر کرنے میں حق بجانب ہوں گے کہ جب اصولِ عقائد میں ہر شخص کو خدا بالکل آزادی دیتا ہے تو ہمارے ذاتی خیال و رائے (یا ذاتی تحقیق) کے مطابق یہی عقائد صحیح ہیں، اس طرح مذہب کیا ہوگا، بچوں کا کھلونا یا موم کی ناک بن جائے گا۔

جس نے جب چاہا جس طرح چاہا توڑ مروڑ کے اپنے خیال کے مطابق بنا لیا۔ کیا جس آزادی اور مطلق العنانی کا آخری نتیجہ یہ ہو کیا کوئی عقلمند اور ہمدرد مذہب وملت اسے روا سمجھ سکتا ہے اور کیا مذہب اس کی اجازت دے سکتا ہے۔ مگر افسوس ع

ہر بات یہاں کی اُلٹی ہے یاں اُلٹی گنگا بہتی ہے

باب الاعمال

وٹہ سٹہ کی شادی اور اس کی خرابیاں

تحریر: آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین نجفی مدظلہ العالی
موسس و پرنسپل جامعہ سلطان المدارس سرگودھا

اکثر مسلمان قوموں اور ہمارے ملک کے اکثر علاقوں میں وٹہ سٹہ کی شادی کی قبیح رسم جاری ہے۔ یعنی اگر کوئی شخص کسی لڑکی سے شادی کرنا چاہے تو ضروری ہے کہ اس لڑکی کے بدلے اپنے خاندان کی کسی لڑکی (بہن، بیٹی یا کسی اور رشتہ دار) کی شادی اس لڑکی کے خاندان کے کسی لڑکے (باپ، بھائی یا کسی اور رشتہ دار) سے کردے۔ اگر تو اس سلسلہ میں ان لڑکیوں کا علیحدہ کوئی حق مہر مقرر نہ کیا جائے، بلکہ یہ اس کے بدلے اور وہ اس کے عوض ہو، تو اسے شریعت کی زبان میں "عقد شغار" کہتے ہیں، جو حرام ہونے کے علاوہ باطل بھی ہے اور اگر ان کا حق مہر الگ الگ مقرر کیا جائے تو گو اس صورت میں یہ عقد وازدواج حرام تو نہیں ہے مگر پھر بھی معیوب ضرور ہے۔ اور کئی قسم کی خرابیوں اور بربادیوں کا موجب ہے، مثلاً اس میں یہ ہوتا ہے کہ:

ا: اس رسم بد کی وجہ سے بعض اوقات جوان یا بہت کم سن لڑکیاں بوڑھے مردوں سے بیاہ دی جاتی ہیں یا جوان عورتوں کی شادیاں کم سن بچوں سے کر دی جاتی ہیں۔ اور پھر اس قسم کی بے جوڑ شادیاں ازدواجی زندگی کو ناکام و نامراد بنانے میں جو کردار ادا کرتی ہیں وہ "عیاں راچہ بیاں" کا مصداق ہوتی ہیں۔

ب: اس رسم بد کا دوسرا تاریک اور تکلیف دہ پہلو یہ ہے کہ اس صورت میں اگر ایک شخص جائز یا ناجائز طریقہ پر اپنی بیوی سے بدسلوکی کرتا ہے یا اسے طلاق دیدیتا ہے تو دوسرا شخص محض انتقامی طور پر اپنی بیوی سے بدسلوکی کرتا ہے یا اسے طلاق دے کر اس کی زندگی کو تباہ کر دیتا ہے اور اگر وہ کسی وجہ سے ایسا نہ کرے اور نہ کرنا چاہے تو گھر والوں کی طرف اس سے ایسا پرزور مطالبہ کیا جاتا ہے کہ جسے وہ ٹھکرا نہیں سکتا۔ الغرض: اس غلط رسم کی وجہ سے دونوں لڑکیوں کی زندگی تباہ ہو جاتی ہے۔

ج: اور پھر اس طرح دو خاندانوں میں ایسی مستقل دشمنی کی بنیاد قائم ہو جاتی ہے۔ اس لیے اس رسم بد کا استیصال ضروری ہے، بلکہ لڑکیوں اور لڑکوں کے رشتے وٹے سٹے کے بغیر مناسب و موزوں مقامات پر کر دینے چاہئیں۔ واللہ الموفق۔

قیمت لے کر بیٹی یا بہن کی شادی کرنا

بعض قبائل میں زمانہ جاہلیت کی یہ قبیح رسم اب تک جاری ہے کہ اگر کوئی رشتہ کے بدلے رشتہ نہ دے سکے تو پھر اس سے اپنی بہن بیٹی کی قیمت وصول کی جاتی ہے جو لڑکی لڑکے کی عمر اور شکل وصورت وغیرہ دیگر خصوصیات کو مدنظر رکھ کر کم وبیش ہوتی ہے۔ مثلاً: جوان لڑکا جوان لڑکی سے شادی کرنا چاہے تو قیمت کم ہوگی اور اگر زیادہ عمر کا مرد کسی جوان دوشیزہ سے شادی کرنا چاہے تو قیمت زیادہ ادا کرنا

باقی صفحہ ۳۳ پر

تحریر: آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین نجفی مدظلہ العالی موسس و پرنسپل جامعہ سلطان المدارس سرگودھا

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ؕ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۸۸﴾ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَ اقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ص وَ لَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّ لَا نَصِيْرًا ﴿۸۹﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍۭ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ اَوْ جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ يُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ ؕ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ ج فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَ اَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ﴿۹۰﴾ (سورۃ النساء: ۸۸ تا ۹۰)

ترجمۃ الآیات

تمھیں کیا ہوگیا ہے کہ تم منافقین کے بارے میں دو گروہ ہوگئے ہو۔ حالانکہ اللہ نے انھیں ان کے کرتوتوں کی وجہ سے (ان کے کفر کی طرف) الٹا پھیر دیا ہے۔ کیا تم چاہتے ہو کہ اسے ہدایت دو جس سے اس کی بدعملی کی وجہ سے خدا نے توفیق ہدایت سلب کرلی ہے۔ اور جس سے اللہ توفیق ہدایت کرے تم اس کے لیے (ہدایت کا) راستہ نہیں پاؤ گے (۸۸)

وہ چاہتے ہیں کہ تم بھی اسی طرح کفر اختیار کرو کہ جیسے انھوں نے کفر اختیار کیا ہے تاکہ پھر تم سب برابر ہو جاؤ۔ لہٰذا تم انھیں اپنا حامی و سرپرست نہ بناؤ۔ جب تک اللہ کی راہ میں ہجرت نہ کریں اور اگر وہ اس ہجرت کرنے سے روگردانی کریں تو انھیں پکڑو اور جہاں کہیں انھیں پاؤ انھیں قتل کر ڈالو اور ان میں کسی کو اپنا سرپرست اور مددگار نہ بناؤ۔ (۸۹)

سوا ان کے جو ان لوگوں سے جا ملیں جن کے اور تمھارے درمیان (جنگ نہ کرنے کا) معاہدہ ہے یا اس حالت میں تمھارے پاس آئیں کہ ان کے سینے (دل) تمھارے ساتھ یا اپنی قوم کے ساتھ جنگ کرنے سے تنگ آ چکے ہوں (ایسے منافق قتل کے اس حکم سے مستثنیٰ ہیں) اگر خدا چاہتا تو ان کو تم پر مسلط کر دیتا اور وہ ضرور تم سے لڑتے تو پھر اگر وہ تم سے کنارہ کشی کریں اور تمھارے ساتھ جنگ نہ کریں اور صلح کا پیغام بھیجیں تو اللہ نے تمھارے لیے ان کے خلاف کوئی قدم اٹھانے کی کوئی راہ نہیں رکھی ہے۔ (۹۰)

تفسیر الآیات

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ......الآیۃ

شانِ نزول: ان آیات کا صحیح مفہوم سمجھنے کے لیے ان کا پس منظر اور شانِ نزول کا سمجھنا ضروری ہے۔ اور وہ یہ ہے

کہ جب حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ سے مدینہ ہجرت فرمائی اور اللہ کے فضل وکرم سے مسلمانوں کو ایک ایسا خطہ مل گیا جہاں وہ پورے آرام واطمینان کے ساتھ اسلام وقرآن کے تقاضوں کے مطابق اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی گزار سکتے تھے، تو اس وقت ان تمام لوگوں کے لیے جو مختلف قوموں، قبیلوں اور مختلف علاقوں میں اسلام لاچکے تھے مگر وہاں اسلامی تقاضوں کے مطابق زندگی نہیں گزار سکتے تھے، ہجرت واجب قرار دے دی گئی کہ وہ سب ہجرت کر کے مدینہ آجائیں۔ تاکہ ایک تو وہ اسلامی تعلیمات کے مطابق زندگی گزار سکیں اور دوسرے ان کی وجہ سے اسلام اور مسلمانوں کی شان وشوکت میں اضافہ ہو۔ اب کچھ لوگ تو بوجہ ہجرت پر قادر نہ تھے اور نہ ہی اپنے آپ کو کافروں کے ظلم وجور سے بچا سکتے تھے، وہ تو مستضعفین قرار پائے اور جو ہجرت پر قادر تھے، ان میں سے بعض کو اپنے اہل وعیال کی محبت اولاد وجائداد سے دلبستگی اعزاء واقرباء سے پیار اور اپنے قدیمی وطن کی کشش ان کو ہجرت کی اجازت نہیں دیتی تھی۔ اور کچھ لوگ تو ایسے بھی تھے جو ایک بار ہجرت کر کے دارالاسلام مدینے پہنچ بھی گئے تھے۔ مگر وہاں کا خالص اسلامی ماحول اور قرآنی نظام اخلاق راس نہ آیا، اور اس پر ہروقت دشمنوں کے حملہ کرنے کا خطرہ مستزاد تھا۔ لہٰذا وہ مختلف عذر بہانے (مثلاً انہیں یہاں کی آب وہوا موافق نہیں ہے) واپس دارالکفر کی طرف پلٹ گئے۔ اور ظاہر ہے کہ ایسے لوگوں کو کفار ومشرکین کی سرگرمیوں میں بھی حصہ لینا پڑتا تھا، جو وہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کرتے تھے۔ ایسے سب لوگوں کو منافق قرار دے دیا گیا۔ اب ایسے لوگوں کے بارے میں مسلمانوں میں دو رائیں تھیں:

① ایک یہ کہ ایسے لوگ مسلمان ہیں، وہ نمازیں پڑھتے ہیں، روزے رکھتے ہیں اور دوسرے اسلامی احکام پر عمل کرتے ہیں، لہٰذا ان کے ساتھ مسلمانوں جیسا سلوک کرنا چاہیے۔

② دوسری یہ کہ یہ لوگ خارج از اسلام ہیں اور مرتد ہیں، لہٰذا انکے ساتھ غیر مسلمانوں جیسا سلوک کرنا چاہیے۔

خداوند علیم وحکیم اس دوسری رائے رکھنے والے مسلمانوں کی ہمنوائی کرتے ہوئے فرما رہا ہے کہ تم ان کے بارے میں دو رائیں کیوں رکھتے ہو؟ یہ تو جدھر (کفر) سے آئے تھے، اپنی کج رفتاری، ناہنجاری اور اپنے کرتوتوں کی وجہ سے ادھر ہی لوٹا دیے گئے ہیں۔ کیونکہ عربی زبان میں "کس اونکس" کے معنی سر کے بل اوندھا گرانے کے ہیں۔ خدائے حکیم نے ان کا "بما کسبوا" فرما کر کہ اپنے کرتوتوں کی وجہ سے اُلٹے پھیر دیے گئے ہیں اور ان کا یہ اوندھا گرنا ان کے زشت اعمال کا طبعی وقدرتی نتیجہ ہے۔ اس سے واضح ہو گیا کہ اگر وہ گمراہ ہوئے ہیں تو اپنے بدعملوں اور اپنی کج رویوں کی وجہ سے۔ لہٰذا اس آیت میں وارد شدہ فقرہ "اتریدون ان تھدوا من اضل اللہ" میں اضلال کی نسبت جو خدا کی طرف دی گئی ہے وہ مجازی ہے کہ ان کے برے کردار اور غلط رفتار کی وجہ سے اللہ نے ان سے اپنی توفیق ہدایت سلب کر لی ہے۔ لہٰذا اب یہ صرف منافق بھی نہیں رہے۔ (جن سے جنگ کرنا جائز نہیں ہے) بلکہ کھُلّم کھلا مرتد اور کافر ہو چکے ہیں اور جو کفار

مُسلمانوں سے برسرِپیکار رہیں ان میں شامل ہو چکے ہیں) تو ان کا کفر و ارتداد اس حد تک پہنچ چکا ہے کہ وہ تمھیں بھی دولت اسلام سے محروم کر کے اپنی طرح کافر بنانا چاہتے ہیں۔ لہٰذا ان سے دوستانہ تعلقات قائم نہ کرو۔ اور نہ ہی انھیں اپنا مدد گار بناؤ۔ یہاں تک کہ وہ ہجرت کر کے دارالاسلام مدینہ طیبہ نہ پہنچ جائیں۔ اور اگر وہ اس ہجرت سے روگردانی کریں تو پھر انھیں پکڑو اور انھیں جہاں کہیں پاؤ قتل کرو۔ ہاں البتہ وہ اس پکڑ دھکڑ اور قتل و غارت سے دو صورتوں میں بچ سکتے ہیں:

① ایک یہ کہ ان لوگوں کی پناہ میں آجائیں اور ان سے معاہدہ کر لیں جن کا مُسلمانوں سے جنگ نہ کرنے کا معاہدہ ہو چکا ہے۔

② دوسرے یہ کہ جنگ سے دل تنگ ہو کر بلا واسطہ تم سے معاہدہ کریں کہ وہ اپنی قوم کے ساتھ مل کر تم سے نہیں لڑیں گے۔ یعنی بلا واسطہ معاہدہ کریں وہ تمھارے ساتھ مل کر اپنی قوم سے بھی نہیں لڑیں گے۔ پس اگر وہ تم سے کنارہ کشی اختیار کریں اور صلح و آشتی کا ہاتھ بڑھانا چاہیں تو پھر ان سے کچھ تعرض نہ کرو۔

فما جعل اللہ لکم علیہم سبیلا

کیونکہ اس صورت میں خدا تمھیں ان کے خلاف کوئی قدم اٹھانے کی اجازت نہیں دیتا۔ اس آخری آیت وافی ہدایت سے واضح و آشکار ہو گیا کہ ان لوگوں کو پکڑنے دھکڑنے اور قتل کرنے کا حکم صرف اس صورت میں ہے کہ جب وہ براہِ راست مُسلمانوں سے برسرِپیکار رہوں، یا ان کفار کی پشت پناہی کریں جو مُسلمانوں کے خلاف صف آراء ہوں اور لڑ رہے ہوں، اور یہ بات اسلام کی عالمگیر صلح جوئی اور صلح کلی کے نظام و پیغام کے منافی نہیں ہے۔ کیونکہ اسلام "جیو اور جینے دو" کے پیغام کا علمبردار ہے۔ اور جو شرارتی فرد یا قوم دوسروں کو جینے دو کے حق سے محروم کرنا چاہے تو اسلام اس کی سرکوبی اپنا فرض اولین سمجھتا ہے۔ "حتی لاتکون فتنة" تاکہ ہر قسم فتنہ و فساد کی جڑ کٹ جائے اور امن کے راستے کا یہ روڑا ہمیشہ کے لیے راستے سے ہٹ جائے۔

اس آیت کے بعد والی آیت (۱۰۱) سے بھی یہی حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ جو تم سے کنارہ کشی نہ کریں اور تمھیں صلح اور دوستی کا پیغام نہ دیں اور نہ تم سے اپنے ہاتھ روکیں تو بے شک تم انھیں پکڑو اور قتل کرو۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر وہ ایسا نہ کریں بلکہ اپنی شرارتوں سے باز آجائیں تو تمھارے لیے بھی ان کے خلاف کوئی اقدام کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔

آسائش دو گیتی تفسیر ایں دو حرف است
با دوستاں تلطف با دشمناں مدارا

علامہ سید علی نقی النقویؒ لکھتے ہیں: "قرآن مجید کے ان تفصیلات سے ظاہر ہے کہ یہ تصور کہ اسلام میں ہر کافر کا جان و مال حلال ہے، اور انسان کی بحیثیت انسان کوئی قدر و قیمت ہی نہیں، درست نہیں ہے اور یہ اقسام جو کافروں کے بیان ہوئے ہیں اور ان کے ساتھ رویہ میں جو فرق قرار دیا گیا ہے وہ بالکل فتوائے عقل و اخلاق کے مطابق ہے۔ اس لیے ہر دور میں قائم ہے اور منسوخ قرار دیے جانے کی کوئی وجہ نہیں ہے"۔ (فصل الخطاب)

تحریر: آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین نجفی مدظلہ العالی موسس و پرنسپل جامعہ سلطان المدارس سرگودھا

جس طرح لوگوں کو آپس میں لڑانا اور فتنہ و فساد کرانا بڑا اخلاقی جرم ہے اسی طرح لڑنے والوں کے درمیان صلح کرانا اور ان کے جھگڑے ختم کرانا انتہائی معاشرتی نیکی اور اچھائی کا کام ہے۔ چنانچہ:

① حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ وہ صدقہ جسے خداوند عالم پسند کرتا ہے وہ لوگوں میں صلح کرانا ہے، جب وہ بگڑ جائیں اور ان کو ایک دوسرے کے قریب لانا ہے جب وہ دور ہو جائیں۔

(اصول کافی)

② انہی حضرت سے منقول ہے، فرمایا: اگر میں دو آدمیوں کے درمیان صلح کرا دوں تو یہ کام مجھے راہ خدا میں دو دینار صدقہ دینے سے زیادہ پسند ہے۔ (ایضاً)

③ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے صحابی جناب مُفضل سے فرمایا کہ اگر تم دیکھو کہ ہمارے دو شیعوں کے درمیان کوئی (مالی) جھگڑا پیدا ہو گیا ہے کہ میرے مال میں سے ان کے درمیان صلح کرا دو۔

(اصول کافی)

④ انہی حضرت سے مروی ہے کہ صلح کرانے والا جھوٹا نہیں ہوتا (اگر وہ ایسا بھی کرے جو واقع کے مطابق نہ ہو) (اصول کافی)

⑤ انہی حضرت سے مروی ہے کہ اسحاق بن عمار سے فرمایا کہ اگر دو آدمیوں کے درمیان صلح کرانے کی دعوت دی جائے تو یہ نہ کہنا کہ میں نے قسم کھائی ہوئی ہے کہ ایسا نہیں کروں گا (بلکہ صلح کرا کہ یہ بڑی نیکی کا کام ہے۔ (اصول کافی)

وفیہ کفایۃ لمن لہ ادنیٰ درایۃ

یتیم پوتے کی وراثت

سائل: محسن علی

سوال نمبر ۱۴/۷: محترم سر! کیا یتیم پوتا وراثت کا حقدار ہے؟

الجواب: باسمہ سبحانہ! وراثت کا قانون یہ ہے کہ جو شخص مرنے والے کا زیادہ قریبی رشتہ دار ہوتا ہے وہ زیادہ وراثت کا حقدار ہوتا ہے اور دور والا رشتہ دار محروم الارث تصور ہوتا ہے۔

بنابریں جب مرنے والے کا بیٹا بھی موجود ہے اور بیٹے کا بیٹا بھی تو ظاہر ہے کہ جو بیٹا ہے وہ بیٹے کے بیٹے سے زیادہ قریبی رشتہ دار ہے۔ لہٰذا اقرب کی موجودگی میں ابعد محروم الارث متصور ہوگا۔

سائل: فیصل مرتضوی بلوچ

سوال نمبر ۱۵/۷: (۱) کیا سلام کرنے کی بجائے ''یا علی مدد'' کہنا ٹھیک ہے؟

(۲) کیا مدد با خود حضرت علیؑ سے مانگنی چاہیے یا حضرت علی کا اللہ کے آگے وسیلہ دینا چاہیے اور کیا حضرت غازی عباسؑ باب حوائج ہیں، ان سے ڈائریکٹ مانگنا جائز ہے؟

(۳) یہ یقین رکھنا کیسا ہے کہ جب رسول اللہ معراج پر گئے تھے تو وہاں پہلے سے ہی حضرت علیؑ موجود تھے۔ حقیقت بتا دیجیے۔

(۴) بعض اوقات میں نے سنا ہے کہ حضرت علی اکبرؑ کو حضرت یوسفؑ سے زیادہ خوبصورت کہا جاتا ہے۔ حقیقت کیا ہے؟

(۵) حضرت علی نہج البلاغہ میں خطبہ نمبر ۱۸ میں اختلاف فتویٰ کی مذمت کرتے ہیں۔ حقیقت بتا دیجیے۔

(۶) کیا چودہ معصومین حاضر ناظر ہیں؟

(۷) کیا پیروں کی قبروں پر جا کر جانوروں کی قربانی کرنا اور ان سے منت مانگنا جائز ہے۔ والسلام

الجواب: باسمہ سبحانہ! واضح رہے کہ یہ ایک سوال نہیں ہے بلکہ سات سوالات کا مجموعہ ہے۔ بہرحال مختصر جوابات حاضر ہیں:

(۱) اسلامی سلام کا صیغہ یہ ہے:
''السلام علیکم'' یا ''سلام علیکم''۔

(۲) تکوینی امور یعنی خلق و رزق، صحت و مرض اور موت و حیات وغیرہ امور میں مدد صرف خداوند عالم سے مانگنی چاہیے۔ ہاں البتہ وسیلہ اور واسطہ سرکار محمد و آلِ محمد علیہم السلام کا دینا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ مرکز کائنات ہے اور سرکار معصومینؑ مرکز تک پہنچنے کے

وسیلہ اور باب ہیں۔

③ زمین کبھی حجت خدا سے خالی نہیں ہو سکتی تو اس وقت حجت خدا دو ہستیاں تھیں ایک نبیؐ اور دوسرے علیؑ۔ جب نبی معراج پر تشریف لے گئے تو حضرت حجت خدا کے طور پر زمین پر موجود تھے۔ قرآن شاہد ہے کہ خداوند عالم صرف ایک ہستی کو معراج پر لے گیا تھا۔

سبحان الذی اسریٰ بعبدہ (سورۃ الاسراء:۱)

④ میں نے دونوں بزرگواروں کی زیارت نہیں کی ہے۔ لہٰذا کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا۔ بہر حال یہ حقیقت ثابت ہے کہ دونوں بزرگ انتہائی خوبصورت اور تخلیق کا اعلیٰ شاہکار تھے۔

⑤ اس مذمت سے مراد اغیار کے فقہاء ہیں جو اپنی رائے و قیاس پر عمل کرتے ہیں اور قرآن کے مطالب و معانی کو وارثانِ علم قرآن سے نہیں لیتے۔

⑥ ہر وقت ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا صرف خداوند عالم کی صفت خاص ہے۔ کوئی بھی مخلوق اس صفت میں اس کی شریک نہیں ہے۔

⑦ ایسا کرنا شرعاً بالکل ناجائز ہے۔

نوٹ: ان مسائل کے جوابات کی تفصیلات معلوم کرنے کے خواہشمند حضرات ہماری کتاب اصول الشریعہ فی عقائد الشیعہ کا مطالعہ کریں۔

بنک کی نوکری

سائل: عمران گھاگھری

سوال نمبر ۷۱۶: السلام علیکم ...... حضرت میرا نام عمران رضا ہے۔ میرا سوال یہ ہے کہ میں کافی دنوں سے ذہنی کوفت سے گزر رہا ہوں، وہ یہ کہ میں نے پچھلے سال اپنی ماسٹر کی ڈگری مکمل کی، اس کے بعد بہت جگہ کوشش کی مگر مجھے نوکری نہیں ملی، معاشی طور پر تو مسئلہ نہیں تھا، لیکن کیونکہ گھر میں فارغ تھا، اس لیے لوگ اور گھر والے بھی اکثر پوچھتے کہ تمہاری نوکری کب لگے گی جس کی وجہ سے کافی پریشانی ہوتی تھی، اور کوئی کاروبار وغیرہ بھی نہیں تھا۔ پھر میں نے حبیب بنک میں درخواست دی ہوئی تھی جس میں میری ملازمت ہوگئی اور میں نے شمالیت اختیار کر لی۔ بعد میں ایک دوست کا فون آیا کہ بنک کی ملازمت حرام ہے۔ اس کمائی کھانے سے بندے کی نماز قبول ہوتی ہے نہ دعا۔ یہ سب باتیں سن کر مجھے کافی صدمہ پہنچا کہ میں کیا کر بیٹھا ہوں۔

اب سر! میں یہ نوکری فوری طور پر نہیں چھوڑ سکتا۔ کیونکہ گھر والے کافی پریشان ہوں گے۔ ان کو طرح طرح کی باتیں سننا پڑیں گی۔ اب آپ بتائیں سر کہ میں کیا کروں؟

الجواب: باسمہ سبحانہ! اس موضوع پر میں نے اپنی فقہی کتاب " قوانین الشریعہ فی فقہ الجعفریہ" میں تفصیل کے ساتھ تبصرہ کیا ہے۔

بنکاری کے موجودہ سسٹم میں جائز و ناجائز دونوں کام ہوتے ہیں۔ لہٰذا جب تک اس کے مالیاتی نظام کو شرعی نظام مشارکت یا نظام مضاربت کی شکل نہ دی جائے تب تک بنک کی ملازمت کو جائز قرار نہیں دیا جا سکتا۔ واللہ العالم

سید اور غیر سید کی شادی

سائل: راحیل عباس

سوال نمبر ۷۱۷: السلام علیکم! آغا صاحب! مجھے آپ سے ایک سوال پوچھنا ہے، برائے مہربانی جواب دے کر ممنون فرمائیں۔ کیا سید لڑکی کے ساتھ غیر سید شادی کرسکتا ہے یا نہیں؟ میرے سنی دوست اکثر مجھ سے یہ سوال کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ سید لڑکی کے ساتھ امتی ہو کر شادی کر لیتے ہیں۔ مجھ سے بہت باران سے اسی بات پر بحث بھی ہو جاتی ہے۔

الجواب: باسمہ سبحانہ! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ!

اس مسئلہ میں عراق وایران کے کسی مجتہد سے رجوع کرلیں۔ شکریہ

سیّد کون؟

سائل: رائے مدنی

سوال نمبر ۷۱۸: السلام علیکم! میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ:

① کیا آج کل وہ سید ہیں جو امام حسن علیہ السلام سے تعلق رکھتے ہیں؟ میں بہت الجھن کا شکار ہوں۔ کیونکہ میں نے سنا ہے کہ کربلا میں جو سید بچ گئے تھے وہ صرف امام زین العابدین علیہ السلام تھے لیکن میں نے کہیں پڑھا ہے کہ حضرت علی ہجویری کے والد حسنی سید تھے۔

② کیا ماتم کو عبادت کہا جا سکتا ہے؟ اگر کہا جا سکتا ہے تو کیسے؟

الجواب: باسمہ سبحانہ! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ!

① جس شخص کا سلسلہ نسب حضرت ہاشم تک پہنچ جائے اسے سید کہا جاتا ہے۔ بنا بریں جناب ابوطالبؑ کے چاروں بیٹوں کی اولاد سید کہلائے گی۔ ہاں البتہ حضرت علیؑ کی اولاد کو دوسرے سادات پر شرف حاصل ہے۔ پھر حضرت علیؑ تمام شہزادوں کی بالخصوص حضرت امام حسنؑ و حضرت امام حسینؑ کی اولاد سید ہے۔ جس نے کہا ہے غلط کہا ہے کہ کربلا میں صرف امام زین العابدینؑ بچ گئے تھے۔ بلکہ امام محمد باقرؑ بھی بچ گئے تھے اور جناب حسن مثنیٰ (حضرت امام حسنؑ کے بیٹے) بھی بچ گئے تھے جن سے حسنی سادات کا سلسلہ چلا اور حضرت عباسؑ کے صاحبزادے فضل بھی بچ گئے تھے۔

② عام عادی ماتم کرنا جائز ہے۔

خیام حسینی

سائل: علی شاہ

سوال نمبر ۷۱۹: السلام علیکم آیت اللہ صاحب!

سب سے پہلے دعا ہے کہ اللہ آپ کو عمر دراز عطا کرے۔ سوال یہ تھا کہ امام حسین علیہ السلام نے دو محرم کو خیمے کس جگہ نصب کیے تھے اور بعد میں کہاں نصب کیے اور کیوں نصب کیے اور کل خیام کتنے تھے؟ ان کی ترتیب کس طرح تھی؟ اصحاب کے خیام کتنے تھے اور بنو ہاشم کے کتنے تھے؟

الجواب: باسمہ سبحانہ! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ!

پہلے نہر فرات کے کنارے پر نصب کیے تھے۔ دشمنوں کے اعتراض کرنے پر وہاں سے اکھیڑ کر وہاں نصب کیے جہاں آج کل نشانات موجود ہیں، یعنی پانی

سے دور۔ باقی تفصیلات معلوم کرنے کے لیے میری کتاب ''سعادت الدارین فی مقتل الحسینؑ'' کا مطالعہ فرمائیں۔

خونی ماتم

سائل: اعظم مہدی

سوال نمبر ۷۲۰: سر! ایک بہت اہم سوال...... میرے امام کی نظر میں خونی ماتم حرام ہے، پھر کیا اس طرح کے جلوس میں جانا ٹھیک ہے۔ برائے مہربانی جلدی جواب دیں۔

الجواب: باسمہ سبحانہ! جلوس میں شرکت کریں اور ہو سکے تو خونی ماتم داروں کو سمجھائیں کہ اپنی جان کو خطرہ میں نہ ڈالیں اور عام رسمی ماتم کرنے پر اکتفا کریں۔ اور یزیدیت کے خلاف احتجاج درج کرائیں اور پھر مقصد شہادتِ سید الشہداءؑ پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔ اسی میں خدا و مصطفیٰؐ اور ائمہ ہدیٰؑ کی خوشنودی مضمر ہے۔

کمالایخفی۔

ابوبکر و عمر

سائل: رانا اظہار

سوال نمبر ۷۲۱: جناب علیؑ کے دو فرزند ہیں، جن کے نام ابوبکر اور عمر ہیں، براہِ مہربانی اس کا جواب دیں۔

الجواب: باسمہ سبحانہ! صرف نام میں کوئی خوبی یا خرابی نہیں ہوتی، بلکہ جو کچھ خوبی یا خرابی ہوتی ہے وہ مسمی میں ہوتی ہے، نہ کہ اسم میں۔ یہ تنگ نظر لوگوں کا وطیرہ ہوتا ہے کہ وہ مخالف کے نام پر نام نہیں رکھتے۔ لیکن جو بالغ النظر لوگ ہوتے ہیں وہ اس تنگ نظری کا مظاہرہ نہیں کرتے۔ ع

کارِ پاکاں را قیاس از خود مگیر

اور اگر کسی کو اصرار ہو کہ یہ نام شیخین کے ناموں پر رکھے گئے ہیں جو ان کے باہم شیر و شکر ہونے کی دلیل ہے تو ہم عرض کریں گے کہ یہ نام ان لوگوں کے بھی تھے جو ہمارے نزدیک بھی قابل مدح ہیں۔ مثلاً ایک ابوبکر صحابی ایسا بھی تھا کہ جس نے پہلے خلیفہ کی بیعت کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا اور کہا تھا کہ خلافت کا مسئلہ پیغمبر اسلام ﷺ اپنے حین حیات میں حل کر کے گئے تھے کہ حضرت علیؑ ہیں۔ دوسرا عمرو وہ تھا جس کا لقب ہاشم تھا جو کہ حضرت رسولِ خداؐ اور علی مرتضیٰؑ کے جد بزرگوار تھے۔ (کتب تاریخ ملاحظہ ہوں)

گھوڑے کا پسینہ

سائلہ: نگاہ حسین

سوال نمبر ۷۲۲: آغا صاحب! اسلام علیکم

الجواب: باسمہ سبحانہ! گھوڑے، گدھے اور خچر کا پسینہ پاک ہوتا ہے۔ کیونکہ ہمارے نزدیک یہ حرام گوشت جانور نہیں ہیں۔ تمام کتب فقہیہ اس پر شاہد عادل ہیں۔

دشمنانِ اہل بیت پر لعنت

سائلہ: مونہ شاہ

سوال نمبر ۷۲۳: السلام علیکم مولانا صاحب!

میرا ایک سوال ہے، میں بہت پریشان ہوں، آپ بتائیں کہ دشمن اہل بیت پر لعنت بھیجنا صحیح ہے؟ مگر کیا تینوں خلیفوں پر بھی لعنت بھیجنی چاہیے؟ مجھے سمجھ نہیں آتی۔ کیونکہ

ایسی باتوں سے نفرت اور بڑھتی ہے اور اگر کسی سنی کو مجلس میں لے بھی جائیں تب یہ لعنت ملامت شروع ہو جاتی ہے تو وہ برداشت نہیں کرسکتے۔ ایسے تو وہ کبھی ہماری طرف نہیں آئیں گے۔ ان کو یہ بات سمجھانا بھی مشکل ہے۔ برائے مہربانی جواب دے دیں۔ جزاک اللہ

الجواب: باسمہ سبحانہ! دو کام ایسے ہیں کہ جن کی انجام دہی میں خالق کائنات بھی اپنی مخلوق کے ساتھ شامل ہے:

ایک سرکار محمد وآل محمد علیہم السلام پر درود وسلام بھیجنا۔ چنانچہ ارشادِ قدرت ہے:

اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۵۶﴾ (سورۃ الاحزاب:۵۶)

۲ دوسرا دشمنانِ خدا، دشمنانِ رسولِ خدا اور دشمنانِ آلِ عبا پر لعنت کرنا۔ چنانچہ ارشادِ قدرت ہے:

اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ (سورۃ البقرۃ:۱۵۹)

واضح رہے کہ لعنت کوئی گالی نہیں ہے، بلکہ رحمتِ خداوندی سے دوری کی بددعا ہے۔ جیسا کہ درود وسلام رحمتِ خداوندی کے نزول کی دعا ہے۔

ارشادِ قدرت ہے:

وَ لَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ (سورۃ الانعام:۱۰۸)

"جو لوگ خدا کو چھوڑ کر غیر اللہ کی پوجا پاٹ کرتے ہیں ان کو بھی (ان کے سامنے) گالی نہ دو، ورنہ وہ جہالت سے خدا کو گالی دیں گے"۔

لہٰذا ہمارے اہل منبر حضرات کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی تقریروں میں کوئی ایسی بات نہ کہیں جس سے کسی مسلمان کی دل آزاری ہوتی ہو۔ ع

خیالِ خاطر احباب چاہیے ہر دم

ہمیں سرکار اہل بیتؑ کا حکم ہے کہ ایسا انداز تبلیغ اختیار کرو کہ عام لوگوں کو رغبت پیدا ہو، نفرت پیدا نہ ہو۔ واللہ العاصم۔

خمس اور نعت و نوحہ میں سر لگانا

سوال نمبر ۷۲۴: السلام علیکم آیت اللہ!

۱ میں آپ کی پیروکار ہوں اور میں خمس کے بارے میں مکمل سمجھ حاصل کرنا چاہتی ہوں کہ واجب ہے یا نہیں؟ شکریہ

۲ میرا آپ سے سوال ہے کہ کیا نعتوں اور نوحہ خوانی میں سر لگانا جائز ہے؟ برائے مہربانی اس سوال کا جواب دیں۔

الجواب: باسمہ سبحانہ! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ!

۱ خمس شریعتِ مقدسہ اسلامیہ میں ادا کرنا واجب ہے۔ جب کہ دسویں پارے کی ابتدائی آیات اس پر شاہد ہیں۔ اور احادیث کا ذخیرہ موجود ہے۔

۲ اور جہاں تک نعت اور نوحہ کا عام خوش الحانی سے پڑھنے کا تعلق ہے تو وہ تو جائز ہے لیکن فلمی دھنوں اور طرزوں میں پڑھنا جائز نہیں ہے۔ واللہ العالم

دسترخوان امام حسن علیہ السلام

شہادتِ ثالثہ

سائل: زین علی

سوال نمبر ۷۲۵: ۱ آپ امام حسن علیہ السلام کے دسترخوان کے بارے میں تفصیل سے بتائیں، برائے مہربانی۔

② محمد حسین نجفی قبلہ کی کونسی کتاب ہے جو انھوں نے سید باقر نثار زیدی کے خلاف تشہد میں شہادتِ ثالثہ پر لکھی۔ ضروی جواب دیجیے گا۔ شکریہ

الجواب: باسمہ سبحانہ! ① آپ اس سلسلہ میں کتاب "احسن المقال ترجمہ منتہی الآمال" یا "چودہ ستارے" کا مطالعہ کریں۔

② آپ نے سید باقر نثار زیدی کے خلاف کوئی کتاب نہیں لکھی اور نہ ہی وہ ایسے دشمن علماء لوگوں کو منہ لگانا چاہتے ہیں۔ ہاں البتہ انھوں نے تشہد میں شہادت ثالثہ کے خلاف اپنی فقہی کتاب "قوانین الشریعہ" جلد ا میں اور اپنے جامعہ علمیہ سلطان المدارس الاسلامیہ سرگودھا کے ماہوار رسالہ "دقائق اسلام" میں بہت کچھ لکھا ہے اور دین میں نئی نئی بدعتیں ایجاد کرنے والوں کا خوب تعاقب کیا ہے۔ والحمد للہ

تشہد

سائل: کامران حیدر ملتان

سوال نمبر ۷۲۶: علامہ صاحب! میں کامران حیدر ہوں ملتان سے۔ کیا ہم لوگ تشہد میں التحیات پڑھ سکتے ہیں جیسا کہ اہل سنت والے لوگ پڑھتے ہیں؟

الجواب: باسمہ سبحانہ! تشہد دو قسم کے اجزاء پر مشتمل ہے۔ ایک واجبی اجزاء اور وہ تین ہیں: ① شہادتِ توحید ② شہادتِ رسالت ③ سرکار محمد و آلِ محمد علیہم السلام پر صلوات دوسرے مستحبی اجزاء اور یہ بہت ہیں، جن میں ایک التحیات للہ...... بھی ہے۔ دوسرا بسم اللہ و باللہ و خیر الاسماء للہ، تیسرا ارسلہ بالحق بشیرا و نذیراً اور چوتھا وارفع درجات الخ

نعرہ حیدری کا جواز

سائل: عامر حمزہ

سوال نمبر ۷۲۷: ① سلام آغا صاحب! یہ جو ہم شیعہ "یا علی مدد" کا نعرہ لگاتے ہیں اس کی حقیقت کیا ہے اور اس کی تاریخ کیا ہے؟ کیا ہمیں یہ نعرہ لگانا چاہیے یا نہیں۔

② سلام علامہ صاحب! ہم یہ سن رہے ہیں کہ تجلیاتِ صداقت کا جواب آگیا ہے کیا یہ سچ ہے؟ اگر سچ ہے تو برائے مہربانی اس کتاب کا نام اور جس نے یہ جواب دیا ہے اس کا نام تو بتائیں۔

الجواب: باسمہ سبحانہ! ① اسلامی سلام جو دو مسلمان ملاقات کے وقت کرتے ہیں اس کے دو صیغے ہیں۔ ایک "السّلامُ علیکم" اور دوسرا "سَلامٌ علیکم"۔ ظاہر ہے کہ "یا علی مدد" اس سلام کا متبادل نہیں ہے، ویسے مولا علیؑ کے نام کا نعرہ لگانا، یعنی "یا علی مدد" کہنا جائز ہے اور محبّت کی علامت ہے۔

② جہاں تک تجلیاتِ صداقت کے جواب کا تعلّق ہے تو وہ تو آفتابِ قیامت کے طلوع ہونے تک کوئی مائی کا لعل نہیں لکھ سکے گا، ان شاء اللہ۔ اور جہاں تک مُنہ چڑھانے کا تعلّق ہے اور خریدارانِ یوسف میں نام درج کرانے کا تعلّق ہے تو یہ کام خالد سیالکوٹی نے کیا ہے۔ اور اس پر تبصرہ تجلیات کے تازہ ایڈیشن کے مقدمہ میں کر دیا گیا ہے۔

والحمد للہ

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے
یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

باب المتفرقات

ہم ہیں سچوں کے ساتھ بجواب ہو جاؤ سچوں کے ساتھ

قسط ۷

ملک الطاف حسین ڈھولر تلہ گنگ ضلع چکوال

دورِ حاضر کے علماء مذہب اہل بیت اس اجتہاد کی مخالفت و مخاصمت میں پیش پیش ہیں جس اجتہاد کی پرورش قیاس کی کھٹی اور شخصی رائے کے فیڈر پر ہوئی ہے، ساتھ ہی ساتھ یہ بھی یاد رکھیں کہ علماء ثقہ اور فقہاء حقہ ہوتے ہی وہ ہیں جو ہر جعل و جہل کو مسترد کر کے ہر خالص و خاص کا ساتھ دیں اور ان عالی صفات سے متصف ہوں جو معصومینؑ نے ارشاد فرمائی ہیں۔ ایسے علماء اپنی پوری زندگی اللہ کے قرآن اور معصومینؑ کے فرمان کے زیر سایہ اعتقادی پوٹلی کی گرہ مضبوط اور افعالی گٹھڑی کو اس سے مربوط رکھتے ہیں۔ قرآن و فرمان کو آگے اور خود ان کے پیچھے چل کر اصلاح الرسوم کا مقدس فریضہ اور رضوی صاحب آپ جیسے بھتہ خوروں کو حلال و حرام میں تمیز کا سلیقہ بتاتے ہیں۔ یہی بلند پایہ اور گرانمایہ لوگ علماء ثقہ اور فقہاء حقہ کہلواتے ہیں۔ ان جیسے فقہاء کی معصومینؑ نے تقلید کی تاکید و تلقین فرمائی ہے۔

علماء سوء کی شناخت

ان پروقار باکردار علماء و فقہاء کی ضد دغاباز سخن ساز علماء اور غیر شناختہ ذہن شگافتہ فقہاء ہیں جو اللہ کی کتاب اور معصومینؑ کے استصواب کو پس پشت اور اپنے ناپاک خیالات اور پلید خواہشات کو دو چار بالشت آگے رکھتے ہیں۔ حق کا اتباع نہیں کرتے حق سے اپنی پیروی کرواتے ہیں اور اپنے رضوی نما مریدوں کو یہی سبق زبانی یاد کرواتے ہیں۔ ان کا طریقہ واردات بڑا پرفریب اور شیطانی مغالطوں کی مانند ان کا دام ہم رنگ زمین بڑا دیدہ زیب ہے۔ جرم سے کند ذہنوں اور بد مغزوں کا شکار کر کے ان کے آشیانۂ ایمان و عمل کو اجاڑ دیتے ہیں۔

اسی نامعقول اور غیر مقبول اجتہادی بستی کے بدحال باشندوں کے بارے جناب امیر علیہ السلام کے مذمتی کلمات نہج البلاغہ میں موجود ہیں۔ دیگر ائمہ طاہرینؑ نے ان نظر بند مداریوں اور اجتہادی پٹواریوں سے دور رہنے کا حکم صادر فرمایا ہے۔ علماء متقدمین نے انہی شعبدہ بازوں کی مخالفت کی۔ الحمد للہ موجودہ دور کے علماء حقہ بھی ایسے پاکھنڈ بازوں کی ریشہ دوانیوں اور شگوفہ سازوں کی کارستانیوں کی مومنین کو اطلاع دے کر درگاہِ معصومینؑ میں سرخرو ہو رہے ہیں۔ اپنے پٹولوں کا دین و ایمان مشکوک، اجتہاد مردود اور استحسان مسدود ہے جس میں پیر و مرید دونوں پھنس گئے ہیں۔

مُصنّف مذکور کا اصل مقصد

ہم کئی بار عرض کر چکے ہیں کہ ایک چھیتے کی کتاب کے دو چار صفحات نقل کر کے تان سین بننے کے شوق میں جو تصنیفی راگ الاپا گیا ہے اس کی رو سے رضوی صاحب مُصنّف ہیں نہ مؤلف، بلکہ ایک مکلف ہیں، ان

کار رسالہ تصنیف و تالیف نہیں بلکہ اسے بے مقصد تکلیف کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ باخبر اور مُعتبر ذرائع سے اطلاع ہوئی ہے کہ انھوں نے اپنی برادری کو متاثر، گردونواح کے مومنین پر رعب و دبدبہ، اور پیری مریدی کے پرفریب جال میں پھنسنے والے مریدوں سے بٹورے جانے والے جگا ٹیکس میں معقول اضافے کی خاطر یہ تکلیف فرمائی ہے۔

ذہن نشین رہے کہ پیری مریدی، بیعت کرنا کرانا، چھومنتر کے تانے بانے اور من پسند نذرانے حقیقی اجتہاد کی قیدوبند سے مادر پدر آزادی ہی کا سرصدقہ ہے۔

پہلے وقتوں میں معصومینؑ کے اصحاب باوفا اپنا عقیدہ و عمل ہادیانِ حق کے سامنے پیش کرتے، ضعف و نقاہت کی صورت میں ائمہ صحیح کر کے سائل کی مشکل آسان فرماتے۔ اس خوبصورت راہ وروش کے پیشِ نظر ہم جناب رضوی صاحب کے بے حد مشکور و ممنون ہیں کہ ان کے فعل فضول کے طفیل ہمیں اپنا عقیدہ اجتہاد مفصل بیان کرنے کا سنہری موقعہ مل گیا ہے۔ جو یقیناً علماء حق اور صاحبانِ علم مومنین کی نظروں سے گزرے گا۔ اگر کسی قسم کی کمی و کمزوری موجود ہوئی تو بآسانی دور ہو جائے گی۔

دوسرا فائدہ یہ کہ اجتہاد و تقلید اور علماء و فقہاء کے حوالے سے باعمل مومنین کے اشتیاق میں اضافے کے ساتھ ساتھ مخالفین اجتہاد کی اکثریت کو حقائق کے آئینے میں اپنا چہرہ دیکھ کر ہنہنانے کا موقع میسر آئے گا۔ ممکن ہے کہ کسی کی اصلاح ہو جائے۔

"ہو جاؤ سچوں کے ساتھ" کے مندرجات کی تجہیز و تکفین وہاں سے شروع کرتے ہیں جہاں چھوڑ کر آئے تھے۔

لکھتے ہیں کہ: "ساتویں صدی ہجری تک اجتہاد سے مراد قیاس یا شخصی رائے مراد لی جاتی تھی .... اسی لیے لفظ اجتہاد کے اس مفہوم کے خلاف جو ائمہ طاہرین علیہ السلام اور ان کی پیروری کرنے والے شیعہ کے زمانہ میں جاری و ساری تھا، شیعہ محدثین نے مخالفت جاری رکھی اور کئی کتابیں بھی اجتہاد کے نادرست مفہوم کے خلاف لکھیں"۔ (صفحہ ۱۱)

اِجتہاد سے ناروا سلوک کی وجوہات

رسالہ مذکور کے متعلقین کے فہم و شعور اور علم و عقل کو کس مُنہ سے کوسیں کہ اجتہاد کی نفی میں جو دلیل لاتے ہیں اگلے قدم پر اسی دلیل کی نفی کر دیتے ہیں۔ تاریخ اسلام کا ادنیٰ طالب علم بھی جانتا ہے کہ سرکارِ دوجہاں ﷺ کی رحلت کے فوراً بعد تحریف دین کا ایک لا انتناعی سلسلہ شروع ہوا جو تاحال جاری ہے۔ طویل عرصے تک حکومتی سرپرستی میں کالے دھن کو سفید کرنے کا دھندا عروج پر رہا۔ روشن دن میں مادہ کو نر اور نر کو مادہ بنا کر دکھایا اور منوایا گیا۔ مفہوم کی تو بات ہی اور ہے الفاظ کے مقسوم و مقدور بدل کر رکھ دیئے گئے۔ ولادت سے لے کر شہادت تک ہر لفظ کو اپنے مرتبہ و مقام سے ہٹا دیا گیا۔ ان تحریف زدہ کلوں صورتوں، معنی و مفہوم اور مقاصد و مطالب کو ازسرِ نو اپنی اصلی حالت وحیثیت کی طرف پلٹانے اور شعبہ تحریف کے ہنرمندوں کو اوزاروں سمیت دفنانے کی خاطر فرزند رسولؐ اور جگر گوشۂ بتولؑ نے قیام فرمایا۔

یہ حقیقت کوئی کم افسوس ناک نہیں کہ خود کربلا اور مقصد قیام حسینؑ بھی تحریفی سیلاب کی تباہ کاریوں سے نہ بچ سکا۔ اب آپ قارئین خود اندازہ فرمائیں کہ ایسے نامناسب

حالات اور غیر محفوظ اوقات میں اجتہاد کیسے محفوظ و مامون رہ سکتا تھا۔ یہ معنوی تحریف کا کمال ہے کہ قرآن و سنت کے ہوتے ہوئے قیاس اور شخصی رائے (ذاتی رائے) کو اقتدار کی چھاؤں میں اجتہاد کی ایک اساس قرار دے دیا گیا۔ حقیقی اجتہاد کے مقابلے میں حکومتی اجتہاد کی ایجاد و اختراع نے شرع محمدیؐ کے مقرر پیمانے اور معین گز انے تبدیل کر کے ہر فاسق، فاجر، قاتل، ظالم اور غاصب کو خطاء اجتہادی کے ترازو میں تول کر اس خود ساختہ اجتہاد کی فعالیت اور مقبولیت کا کامیاب تجربہ کیا۔

کوئی اعتراض نہیں کہ کئی صدیوں تک پورا عالم اسلام انہی خود ساختہ اجتہادیوں کے قبضے میں رہا۔ لیکن یہ بھی ایک مُسلمہ حقیقت ہے کہ دوسری طرف حفاظت و نگہداشت کرنے والے محافظوں اور نگہبانوں کی لازوال قربانیوں سے تاریخ کے صفحات رنگین ہیں۔ پیروان شریعت وارثانِ علوم آلِ محمدؐ کی کوششیں اور کاوشیں اپنی مثال آپ ہیں۔ جنھیں ملنگی نخرے اور صوفی مچھندرے کوئی وزن نہیں دیتے۔

رضوی صاحبؒ کا اقبالِ جرم

رضوی صاحب! تعجب اس بات پر ہے کہ اقبالِ جرم کے باوجود آپ بری الذمہ ہو کر دوسروں کو زیر عتاب لانے کی تدبیریں کر رہے ہیں۔ کیوں مان لیا کہ اجتہاد میں قیاس اور شخصی رائے کی ملاوٹ کی گئی؟ کیسے تسلیم کر لیا کہ ائمہ طاہرینؑ نے اجتہاد کے مذکورہ مفہوم کی سخت مخالفت کی اور محدثین نے اجتہاد کے نادرست مفہوم کے خلاف کتابیں لکھیں؟ مندرجہ بالا اقبالی بیان سے مطلع صاف اور موسمی کیفیت واضح ہو جاتی ہے کہ یہاں پہنچ کر آپ کی عقل نے آپ کو خدا حافظ کہہ دیا ہے۔ اگر کچھ دیر ساتھ نبھاتی تو لفظ "نادرست" پر توجہ فرماتے۔ کیونکہ لفظ "نادرست" بتا رہا ہے کہ اجتہاد کا کوئی ایک "درست" مفہوم بھی ہے، جس کے مدمقابل "نادرست" مفہوم کی ائمہ طاہرینؑ علماء و فقہاء اور محدثین نے مخالفت کی، جس سے آپ نما کھوتے کھر کے دردِ زہ میں مبتلا چیخ و پکار کر رہے ہیں۔

نادرست مفہوم کی مخالفت

واضح و آشکار رہے کہ قیاس اور شخصی رائے کی ملاوٹ و تراوٹ سے اجتہاد کا جو "نادرست" مفہوم سامنے آیا، اس عنوان سے ائمہ طاہرینؑ نے اسے موردِ تردید قرار دیا، کیونکہ یہی امامت کا فریضہ تھا۔

اطلاعاً عرض ہے، کہ "نادرست" مفہوم کے وجود میں آنے کی بنیادی وجہ اس کے سوا کوئی اور نہیں کہ جس دروازے سے "درست مفاہیم" کے دستیاب ہونے کی خبر دی گئی تھی اسے آگ دکھا کر۔ نئے دروازوں کا انتخاب کر لیا گیا۔ ظاہر ہے کہ ایسے نام نہاد دروازوں پر رکوع و سجود کرنے کا عتاب و عقاب کے علاوہ کوئی اور اجر و ثواب نہیں۔ کیونکہ یہ دروازے ہی اصلی نہ تھے۔ لہٰذا ان پر بیٹھنے والے غیر ذمہ دار پہرے دار عدم واقفیت اور بے صلاحیت ہونے کی بنا پر رنگ، برنگے اور بے ترتیبے راگ (فتوے) الاپنے لگ گئے۔ انہی بے سرے راگیوں اور بے ترتیب راگوں کی جناب علی علیہ السلام نے مذمت فرمائی جس میں رضوی صاحبؒ کو اشتباہ ہوا اور اس مذمتی خطبے کو مجتہدین حق کے خلاف بطور دلیل اپنے رسالے میں جگہ دے کر اپنی بے وقوفی و نادانی کا عملی ثبوت فراہم کر دیا۔ جبکہ جناب امیر علیہ السلام کی یہ تقریر ان طوطوں کے

بارے میں ہے جو قیاس اور شخصی رائے کے زیر سایہ دین و شریعت کی تفسیر و تشریح نہیں، بلکہ فال نکال کر ذاتی اندازوں سے دین اسلام کا انداز ہی بدل دیتے ہیں۔

الفاظ کے معنی و مفاہیم

اسی ضمن میں آپ کو اس خبر سے آگاہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ اکثر الفاظ ذاتی طور پر کسی خوبی یا خامی کے اہل نہیں ہوتے، نسبت انھیں خاص و عام اور بے کار یا اہم بنا دیتی ہے۔ جیسا کہ لفظ شیعہ صفاتی حوالے سے اس میں کوئی کمال نہیں، اگر آل محمدؐ سے منسلک ہو تو فرمانِ نبیؐ کے تحت جنت الفردوس میں اعلیٰ درجوں پر فائز ہوگا۔ دشمنانِ اہل بیت کی دم پکڑنے والا شیعہ طاغوت کہلوائے گا اور ٹھکانا جہنم ہوگا۔ تاریخ اسلام کی پہلی صدی ہجری میں اس کی عملاً تشریح ہو چکی ہے۔ اسی طرح لفظ امام اور بیعت ہے۔ امام حسینؑ کی بھی بیعت ہے اور یزید لعین کی بھی بیعت ہی منعقد ہوئی تھی۔ جسے امام بنایا گیا تھا۔ ایک بیعت امامِ حقؑ کی اور دوسری امام باطل کی۔ لیکن دونوں پر لفظ بیعت ہی کا اطلاق ہوتا ہے۔ اب بتایا جائے کہ یزید کی باطل بیعت کی بنیاد پر بیعت ہی کو سرے سے حرام اور ناجائز کہہ دینا کس رنگ و نسل کی حلال زادگی ہے؟

لفظ اجتہاد بھی اسی طرح ہے۔ اگر اسے قرآن و حدیث کے گلزاروں کی معطر فضاؤں کے خوشگوار جھونکوں میں رکھنے کی بجائے قیاس اور شخصی رائے کے ریگزاروں کی گرد آلود ہواؤں کے پُرتپش تھپیڑوں میں کھڑا کر دیا جائے تو یہی اجتہاد قابل مذمت اور لائق تردید ہو جائے گا۔ جس طرح نماز نبیؐ اور آلِ نبیؑ کے فرمان کے مطابق ہو تو قابل قبول اور اگر اپنا رانجھا راضی کرنے کے لیے اس میں کمی بیشی کر دی جائے تو یہی نماز فضول اور منہ پر مار دینے کے لائق ہو جائے گی۔

رسالہ مذکور میں بکثرت تکرار کر کے مکتب تشیّع میں اجتہاد نام کی کسی شے کے عدم وجود کو اپنے تئیں حق ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی گئی جن نیم ملاؤں اور کامل جہلاؤں نے اس پر طبع آزمائی کی ہے ان سب کا نقطہ نظر بھی یہی ہے کہ اسلام میں اجتہاد کی حیثیت ایک اجنبی مہمان کی سی ہے۔

ایک اہم سوال

منکرین اجتہاد اور بانیان فساد کے سامنے ایک سوال کھڑا کر کے ضرورتِ اجتہاد کو ایک دوسرے زاویہ نگاہ سے اس طرح دیکھتے ہیں کہ محترم رضوی صاحب بقائمی ہوش و حواسِ خمسہ ہمیں آگاہ فرمائیں کہ: "اگر کسی فقہی مسئلہ کی بابت قرآن و حدیث میں کوئی واضح حکم موجود نہ ہو یا ایک یا ایک سے زیادہ حکم موجود ہوں تو اس صورت میں آپ کی جہالت کا اُونٹ کس کروٹ بیٹھے گا"۔ جبکہ اجتہاد سے آپ کا انکار عیاں اور علماء و فقہاء سے بغض و عناد آپ کی رگ رگ میں رواں ہے؟ بہرحال ہمیں پیشگی اطلاع ہے کہ آپ رسّی توڑ اور گردن مروڑ کر قیاس کی آغوش میں ہی پناہ لیں گے۔ کیونکہ آپ کے مفتی اعظم بیٹیاں فروخت کر کے عزاداری کے اخراجات پورے کرنے کا فتویٰ کئی سال پہلے صادر فرما چکے ہیں۔

معزز قارئین! ذہن نشین رہے کہ اجتہاد کا انکار کرنے والوں کا یہ جیتا جاگتا ذاتی اجتہاد ہے۔ اب انہی سے پوچھا جائے کہ ایسا اجتہاد کس شیطان کی ایجاد ہے؟

مندرجہ بالا سوال پر رضوی صاحب اور ان کے مرشد زیدی کی رائے جاننے کے لیے دو آیاتِ قرآنی نقل

کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔ قرآن مجید فرقانِ حمید میں ارشادِ قدرت ہے:

① "اور (طلاق کے بعد) جو شخص (اپنی اولاد کو) پوری مدت تک دودھ پلانا چاہیں تو مائیں اپنی اولاد کو کامل دو برس دودھ پلائیں گی اور بچہ کے باپ پر (اس دوران) ان (ماؤں) کا کھانا اور کپڑا مناسب و معروف طریقہ پر لازم ہوگا۔

(سورۂ بقرہ: ۲۳۳)

دوسری جگہ یوں ارشاد ہوتا ہے کہ:

② "اور اس کا حمل دودھ چھڑانا تیس مہینوں میں ہوا"۔ (سورۂ احقاف: ۱۵)

پہلی آیہ مجیدہ سے صاف دکھائی دے رہا ہے کہ بچے کو دودھ پلانے کی مدت دو سال (چوبیس ماہ) ہے لیکن دوسری آیہ مبارکہ میں عرصۂ رضاعت مدتِ حمل تیس ماہ ہے، جبکہ زمانہ حمل کے تعین کا کہیں تذکرہ ہی نہیں۔ اگر اس مدت (تیس ماہ) سے زمانہ حمل (نو ماہ) گرا دیے جائیں تو دودھ پلائی کی بقیہ مدت اکیس ماہ رہ جاتی ہے، جبکہ پہلی آیت میں عرصہ رضاعت چوبیس ماہ ہے، جو منکرین اجتہاد کے سامنے اختلاف و تضاد کا پہاڑ دکھائی دیتا ہے۔ قرآن و حدیث میں غور و فکر سے بدکنے والے اتھرے گھوڑوں سے بصد احترام پوچھنا چاہیں گے کہ ان آیاتِ قرآنیہ کے ظاہر و باطن کی مراد کیا ہے۔ نیز یہ بھی بتایا جائے کہ مجتہدین عظام کے فتاویٰ میں اختلافات و تضادات کا انکشاف کر کے انھیں نشانہ تنقید بنانے والے یاوہ گو ان دو آیات سے کس قسم کا تضاد کشف کرنا پسند کریں گے؟

کم علم ہونے کے ناطے ہمیں قدم قدم پر علماء و فقہاء کی ضرورت ہے، ان کی طرف رجوع کریں تو تاریخی حوالے سے یہ خبر ملتی ہے کہ سب سے پہلے جس ہستی نے خلیفہ ثالث کے دورِ حکومت میں ان آیات سے استنباط کیا اس باب العلم کا نام نامی علیؑ بن ابی طالبؑ ہے جس کے استحسان و استنباط کا اسباط آجکل مخول و مذاق اڑا رہے ہیں۔

(باقی آئندہ)

باب المتفرقات

اعتراضات کی آندھیوں میں تحقیق کے چراغ

قسط ۸

کچھ عرصے سے چند تکفیری عناصر کی جانب سے تحریف قرآن کے سلسلے میں شیعہ مسلمانوں کو طعن وتشنیع کا نشانہ بنایا جاتا رہا ہے لیکن خدامی حضرات کے مذہب کی کتب معتبرہ میں بھی ایسی صحیح السند علیٰ شرط الشیخین روایات بکثرت پائی جاتی ہیں کہ جن سے تحریف قرآن کا اثبات قرین حقیقت قرار پاتا ہے، یوں ایسی روایات کی تعداد سلفی صاحب کی اپنی معتبر کتب احادیث میں ہزاروں کو چھوتی ہیں لیکن ہم یہاں پر بطور نمونہ چند صحیح السند روایات ہدیہ نظر قارئین کیے دیتے ہیں تاکہ سلفی صاحب کا پوشیدہ فریب بے نقاب ہو جائے۔ آئیے اب ان صحیح السند روایات پر صرف ایک سرسری نگاہ ڈالتے ہیں۔ اس ضمن میں سینکڑوں روایات کو نظر انداز کرتے ہوئے ہم صرف تین چار روایتیں مع سند نقل کرتے ہیں تاکہ اصل حقیقت واضح ہو سکے۔

① حدثنا عبدالله حدثنا عمرو بن عبدالله الاودی حدثنا ابو معاویة عن هشام بن عروة عن ابيه قال سئلت عائشة عن لحن القرآن "ان هذان لساحران" عن قوله "لمقيمين الصلوة والمؤتون الزكاة" عن قوله "والذين هادوا والصابئون" "قالت يا ابن اختی هذا عمل الكتاب اخطأوا فی الكتاب (اسناده صحیح علی شرط الشیخین)

حضرت عروہ بن زبیر سے روایت ہے کہ میں نے قرآن مجید میں اِن اغلاط "ان ھذا ن لساحران" "المقیمین الصلوۃ والمؤتون الزکاۃ" اور "والذین ھادوا والصابئون" کے بارے میں حضرت عائشہؓ سے پوچھا، تو آپ نے فرمایا کہ اے بھانجے یہ کاتبوں نے کیا ہے، اِنہوں نے قرآن میں غلطیاں کی ہیں۔

① کتاب المصاحف للحافظ ابی بکر السجستانی متوفی ۳۱۶ھ جلد ۲ صفحہ ۳۴، باب المصاحف العثمانیة، المطبعة الرحمانیہ مصر ۱۹۳۶ء

② فضائل القرآن لامام ابی عبید القاسم بن سلام متوفی ۲۲۴ھ صفحہ ۱۶۰، ۱۶۱، روایت نمبر ۴۹ طبع دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۹۹۱ء

③ سنن سعید بن منصور متوفی ۲۲۷ھ، جلد ۴، صفحہ ۱۵۰۷، روایت نمبر ۷۶۹ طبع دار الصمیعی الریاض سعودیہ ۱۴۲۰ھ

علامہ آلوسی بغدادی نے اپنی تفسیر روح المعانی جلد اول صفحہ ۳۱، طبع ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ مصر میں اس روایت کے آغاز میں کہا ہے "صحیح علیٰ شرط الشیخین" اسی طرح علامہ جلال الدین سیوطی نے "الاتقان فی علوم القرآن" جلد ۲ صفحہ ۲۶۹، مطبوعہ کلکتہ ۱۲۷۱ھ بہ تصحیح مولوی بشیر الدین ومولوی نور الحق میں کہا ہے کہ "ھذا اسناد صحیح علی شرط الشیخین" چند سطور آگے چل کر علامہ سیوطی نے ابن انباری کا یہ قول کہ یہ روایت ضعیف ہے لکھ کر بعد ازاں اس کا رد کیا ہے۔ مندرجہ بالا کتب میں یہ روایت طریق ابو معاویۃ (محمد بن حازم المتوفی ۱۹۵ھ الحافظ الثبت، محدث الکوفہ) عن هشام بن عروة عن ابيه قال سئلت عائشة سے آئی ہے۔ اس سند کے بارے میں علامہ ذہبی کے بقول: عبداللہ بن احمد اور ابن خراش نے یہ گمان کیا ہے کہ ابو معاویہ محمد بن حازم بذاتِ خود ثقہ ہے البتہ جب وہ اعمش کے علاوہ کسی دوسرے راوی سے روایت کرے تو اس میں اضطراب کا امکان ہے جیسا کہ ذہبی نے میزان الاعتدال جلد ۴، صفحہ ۵۷۵ میں تحریر کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ یہ سند بھی صحیح ہے لیکن اس سند کے علاوہ دوسری صحیح سند بھی موجود ہے جس سند میں ابو معاویہ کی جگہ یعنی اس کا متابع علی بن مسہر موجود ہے جو انتہائی ثقہ اور قابلِ وثوق ہے۔ اس روایت کا سلسلہ سند علی بن مسہر

عن هشام بن عروة عن ابيه قال سئلت عائشة ہے۔

(ملاحظہ ہو: تاریخ المدینۃ المنورۃ للحافظ عمر بن شبہ جلد ۳، صفحہ ۱۰۱۳، ۱۰۱۴)

(۲) حدثنا ابو على الحافظ انباء عبدان الاهوازی حدثنا عمرو بن محمد الناقد حدثنا محمد بن يوسف حدثنا سفيان عن جعفر بن اياس عن مجاهد عن ابن عباس رضى الله عنهما فى قوله تعالى لا تدخلوا بيوتا غير بيوتكم حتى تستأنسوا قال اخطاء الكتاب حتى تستأذنوا

مشہور تابعی مجاہد کہتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالی کے اس ارشاد لا تدخلوا بیوتا غیر بیوتکم حتی تستأنسوا میں کاتبوں نے حتی تستأذنوا میں غلطی کر دی۔

امام حاکم نیشاپوری اور علامہ ذہبی دونوں اس روایت کے ذیل میں بالاتفاق لکھتے ہیں: هذا حديث صحيح على شرط الشيخين "یہ حدیث بخاری و مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے"۔

(ملاحظہ ہو! المستدرک مع التلخیص للذہبی جلد ۲، صفحہ ۳۹۶، طبع حیدر آباد دکن)

(۳) حضرت عبد اللہ ابن مسعود قرآن مجید کی آخری دونوں سورتوں کے منکر تھے چنانچہ عبد الرحمٰن بن یزید کہتے ہیں: كان عبد الله يحك المعوذتين من مصاحفه ويقول انهما ليسا من كتاب الله تبارك وتعالى۔ "ابن مسعودؓ اپنے مصاحف میں سے معوذتین کو مٹاتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ دونوں اللہ تعالی کی کتاب (قرآن کریم) میں سے نہیں ہیں"۔ (مسند احمد جلد ۵، صفحہ ۱۲۹ المعجم الکبیر للطبرانی روایت ۹۱۵۰، مُصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱۰، صفحہ ۵۳۸، ۱۰۲۵۴، مُصنف عبد الرزاق جلد ۳، صفحہ ۳۸۴ وغیرہ) اور عبد الرحمٰنؒ کے علاوہ حضرت ابن مسعود سے یہی قول علقمہ اور زر بن حبیش نے بھی نقل کیا ہے (تفسیر ابن کثیر جلد ۴، صفحہ ۵۷۱، المطالب العالیہ جلد ۳، صفحہ ۴۰۲ وغیرہ)

حافظ نور الدین علی بن ابی بکر ہیثمی متوفی ۸۰۷ھ اس روایت کے ذیل میں لکھتے ہیں: رجال عبد الله رجال الصحيح ورجال الطبراني ثقات "عبد اللہ ابن احمد کے راوی "صحیح" کے راوی ہیں اور طبرانی کے رواۃ بھی ثقہ ہیں"۔ (مجمع الزوائد جلد ۷ صفحہ ۱۴۹، طبع مکتبہ القدسی قاہرہ)

محدث بزار نے بھی یہ روایت نقل کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: لانه كان يحك المعوذتين من المصحف ويقول امر النبى صلى الله عليه وسلم ان يتعوذ بهما وكان عبد الله لا يقرأ بهما۔ "وہ معوذتین کو مصحف سے مٹاتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ نبی ﷺ نے اس سے تعوذ یعنی دم کا حکم دیا ہے اور عبد اللہ اس کو (نماز میں) نہیں پڑھتے تھے"۔ نیز یہ روایت طبرانی میں بھی ہے۔ علامہ ہیثمی اس روایت کے ذیل میں رقمطراز ہیں: رجالهما ثقات۔ "طبرانی اور بزار کے روای ثقہ ہیں"۔

علامہ سیوطی نے لکھا ہے: اخرج احمد والبزار والطبرانى وابن مردويه من طرق صحيحة عن ابن عباس وابن مسعود انه كان يحك المعوذتين من المصحف ويقول لاتخلطوا القرآن بما ليس منه انهما ليستا من كتاب الله انما امر النبى صلى الله عليه وسلم ان يتعوذ بهما...... الخ کہ طرق صحیحہ سے ثابت ہے کہ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن مسعودؓ مصحف سے معوذتین کو مٹاتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ قرآن کو غیر قرآن سے خلط ملط نہ کرو۔ یہ دونوں سورتیں اللہ تعالی کی کتاب کا حصہ نہیں۔ نبی ﷺ نے ان سے تعوذ کا حکم دیا ہے۔

(تفسیر درمنثور جلد ۶ صفحہ ۴۱۶، المطبعۃ المیمنیۃ مصر ۱۳۱۴ھ)

اور ابن مسعودؓ (نماز میں) ان کی قرائت نہیں کرتے تھے، بلکہ صحیح بخاری، جلد ۲، صفحہ ۷۴۴ مطبوعہ میرٹھ ۱۲۸۲ھ میں ہے زر بن حبیشؒ نے حضرت ابیؓ بن کعب سے کہا: يا ابا المنذر ان اخاك يقول كذا وكذا...... الخ "اے ابو منذرؓ! آپ کے بھائی تو یوں اور یوں کہتے ہیں"۔ یہی روایت مسند احمد جلد ۵، صفحہ ۱۳۱، المطبعۃ المیمنیۃ مصر ۱۳۱۰ھ اور مسند حمیدی جلد ۱ صفحہ ۱۸۵، مطبوعہ مجلس علمی ڈابھیل میں ان الفاظ سے مروی ہے: ان اخاك يحكهما من المصحف "آپ کے بھائی ان سورتوں کو مصحف سے مٹاتے تھے"۔

ابن حزم وغیرہ کا بلا دلیل ان روایات کو باطل قرار دینا محض

دعویٰ ہے۔ یہ روایت صحیح بخاری کے علاوہ حدیث کی مزید آٹھ
دس کتابوں میں بسند صحیح مروی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حافظ ابن حجر
لکھتے ہیں: والطعن فی الروایات الصحیحة بغیر مستند لایقبل
"ان روایات صحیحہ میں بغیر دلیل کے اعتراض قابل قبول نہیں ہے۔"
(فتح الباری جلد ۸، صفحہ ۷۴۳، مطبع انصاری دہلی)

علامہ بدرالدین نے عمدۃ القاری جلد ۲۰، صفحہ ۱۱ طبع
بیروت میں اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ ابن مسعودؓ اس سلسلہ
میں دیگر صحابہؓ سے مختلف تھے۔

④ حدثنا یعقوب قال حدثنا ابی عن ابن اسحاق قال
حدثنی عبداللہ بن ابی بکر، ابن محمد بن عمر بن حزم عن
عمرۃ بنت عبدالرحمن عن عائشة زوج النبی صلی اللہ علیه
وسلم قالت لقد انزلت آیة الرجم ورضعات الکبیر عشر
افکانت فی ورقة تحت سریر فی بیتی فلما اشتکی رسول اللہ
تشاغلنا بامرہ ودخلت دویبة لنا فاکلتها (اسنادہ حسن)

"حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ بلاشبہ آیت رجم اور آیت
رضاعت کبیر بڑے آدمی کو دس دفعہ دودھ پلانے کے متعلق
آیتیں نازل ہوئی تھیں ایک کاغذ میں لکھی ہوئی میرے گھر سرہانے
کے نیچے پڑی تھیں جب رسول اللہ ﷺ نے انتقال فرمایا تو ہم
اس سلسلہ میں مصروف ہو گئے۔ ایک بکری گھر میں داخل ہوئی
اور ان کو کھا گئی"۔ (مسند الامام احمد جلد ۶ صفحہ ۲۶۹، طبع مصر)

یہ روایت حسن درجہ کی ہے۔ علاوہ بر ایں یہی روایت سنن
ابن ماجہ صفحہ ۱۴۱ مطبع فاروقی دہلی ۱۸۰۸ء، مسند ابی یعلی
موصلی جلد ۴، صفحہ ۳۲۳، روایت نمبر ۴۵۶۹ مطبوعہ جدہ میں
بھی موجود ہے، البتہ سنن ابن ماجہ اور مسند ابی یعلی میں محمد ابن
اسحاق ثقہ راوی کی یہ روایت ان سے بصیغہ "عن" مروی ہے۔

قاعدہ: اصول حدیث کے تحت یہ روایت "معنعن" ہے جو
ناقابل قبول ہوتی ہے، کیونکہ ابن ماجہ کی اس روایت کے راوی
محمد بن اسحاق پر تدلیس کا الزام ہے اور یہ "عن" کے ساتھ روایت
کر رہے ہیں۔ البتہ اگر مدلس راوی صیغہ تحدیث (حدثنی،
اخبرنی، سمعت) سے روایت کرے تو اس کی روایت قابل
قبول ہوتی ہے"، کیونکہ مسند احمد والی روایت میں محمد ابن اسحاق
نے یہ روایت صیغہ تحدیث سے بیان کر دی ہے، جو سند کے لحاظ
سے بالکل صحیح ہے، بنا بر ایں سنن ابن ماجہ اور مسند ابی یعلی موصلی
میں موجود روایت بھی صحیح اور قابل قبول ہے۔

⑤ ابوعبید قال: حدثنا اسماعیل بن ابراهیم عن ایوب عن
نافع عن ابن عمر قال: لا یقولن احدکم: قد أخذت القرآن
کله، وما یدریه ما کله، قد ذهب منه قرآن کثیر ولکن لیقل:
قد أخذت ما ظهر منه (اسنادہ صحیح)

نافع نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ
آپ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی یہ نہ کہے کہ میں نے پورا قرآن
پالیا ہے، اُسے کیا خبر پورا قرآن کس قدر ہے!
بلاشبہ بہت سا قرآن ضائع ہو گیا ہے، البتہ یہ کہنا چاہیئے
کہ قرآن میں سے جو کچھ موجود ملا، میں نے اسے لے لیا"۔
(ملاحظہ ہو: فضائل القرآن، لأبی عبید قاسم بن سلام، روایت نمبر ۶۹۹۔ تفسیر
الدر المنثور للسیوطی، جلد ۱، صفحہ ۱۰۶، مطبعہ میمنیه، مصر ۱۳۱۴ھ۔ کتاب
المصاحف لابن الضریس۔ کتاب المصاحف لابن الانباری وغیرہ)

ان مذکورہ بالا روایات کے مطالعہ کرنے سے چند ایک
نتائج اخذ ہوتے ہیں۔

① پہلی روایت کے مطابق العیاذ باللہ حضرت عائشہؓ
تحریف قرآن کی قائل قرار پاتی ہیں کیونکہ ان کا کہنا یہ ہے کہ
......الفاظ قرآن مجید کے وہ الفاظ نہیں ہیں کہ جو خداوند متعال کی
جانب سے حضرت محمد مصطفیؐ پر نازل کیے گئے تھے بلکہ یہ الفاظ
کاتبین کی غلطی کی وجہ سے ظاہر ہوئے ہیں اور فرماتی ہیں کہ صحیح وہ
ہیں جو میں بیان کر رہی ہوں جبکہ حضرت عائشہؓ کے بیان کردہ
الفاظ موجودہ قرآن کے الفاظ کے برخلاف ہیں۔

② دوسری روایت کے مطابق العیاذ باللہ حضرت عبداللہ ابن
عباسؓ بھی تحریف قرآن کے قائل قرار پاتے ہیں کیونکہ وہ بھی
موجودہ قرآن مجید کے بعض الفاظ کو کاتبین کی قلم کی لغزش قرار

دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اصل الفاظ ۔ نہیں بلکہ ۔ ۔ ہیں ۔

③ تیسری روایت کے مطابق حضرت ابن مسعودؓ پوری معوذتین (قل أعوذ برب الناس اور قل أعوذ برب الفلق) کو قرآن مجید کا حصہ قرار نہیں دیتے ہیں لہٰذا وہ بھی العیاذ باللہ تحریف قرآن کے قائل قرار پاتے ہیں۔

④ چوتھی روایت کے مطابق آیت رجم و آیت رضاعت کبیر (یہ دونوں آیتیں) نازل ہوئی تھیں لیکن موجودہ قرآن میں نہیں پائی جاتیں ۔ حضرت عائشہؓ کے نظریہ کے مطابق یہ دونوں آیتیں قرآن مجید کا حصہ تھیں محض بکری کے کھاجانے کی وجہ سے قرآن میں درج ہونے سے رہ گئیں، اسی وجہ سے آپ آیت رضاعت کبیر پر عمل پیرا رہیں ۔ آیت رجم کے بارے میں تو یہ گمان کیا جاسکتا ہے کہ منسوخ التلاوۃ ہو، یہ ایک الگ بات ہے کہ نسخ التلاوۃ ثابت ہی نہیں کیا جاسکتا، لیکن آیت رضاعت کبیر کا کیا بنے گا، اگر کہا جائے کہ منسوخ ہوگئی تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ منسوخ کی کون سی قسم ہے، منسوخ الحکم تو یقیناً نہیں ہے کیونکہ آپ اس پر عمل کرتی رہیں۔

⑤ اب آئیے پانچویں روایت کی طرف، اس کے متن پر نگاہ ڈالیں تو ثابت ہوتا ہے کہ قرآن میں سے کثیر حصہ ضائع ہو چکا ہے ۔ بفرض محال اگر اسے ہم منسوخ قرار دیں تو یہ بھی نادرست ہے، اس لئے کہ ان کا یہ کہنا کہ کوئی شخص کل قرآن کے حاصل کرنے کا دعوی نہ کرے، اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ یہاں منسوخ مراد نہیں ہے، کیونکہ جو منسوخ ہو جائے وہ کل کا حصہ ہی نہیں رہتا، جو غیر منسوخ باقی رہ گیا ہے، وہی کل قرآن ہے ۔ پس عیاں ہوا کہ بقول ابن عمرؓ بہت سا قرآن ضائع ہو گیا ہے ۔ مزید برآں اس روایت میں موجود لفظ "ذھب" نسخ کی نفی کرتا ہے ۔

نیز حضرت عمر کے یہ الفاظ انی أخشی ان یستحر القتل بالقراء فی المواطن فیذھب کثیر من القرآن (صحیح بخاری، جلد ۱، صفحہ ۱۳۹، مطبعہ عثمانیہ، مصر) "مجھے خوف ہے کہ تمام قاری کہیں دوسری جنگوں میں نہ مارے جائیں کہ بہت سا قرآن جاتا رہے گا" لہٰذا اس روایت میں لفظ "ذھب" کو ہرگز نسخ پر محمول نہیں کیا جاسکتا ۔

حضرت عمر کے اِس قول میں بھی اس لفظ کا معنی ضائع ہونا ہی ہے، نسخ مراد نہیں ہے ۔ حضرت ابن عمر کی روایت میں لفظ "کثیر" وارد ہوا ہے، جبکہ منسوخ کثیر نہیں ہوا بلکہ بہت کم ہوا ہے، شاہ ولی اللہ دہلوی صاحب کے نزدیک تو صرف پانچ آیات منسوخ ہیں ۔ قابل توجہ بات یہ ہے کہ مندرجہ بالا نتائج ان روایات سے اخذ کیے گئے ہیں کہ جو شرط شیخین کے مطابق صحیح السند ہیں، ان روایات کو اختلافِ قرائت پر حمل کرنا بھی ناقابلِ فہم ہے کیونکہ ان میں واضح موجود ہے کہ یہ کاتبوں کی غلطیاں ہیں یا بہت سا حصہ جاتا رہا، یہاں تو اختلافِ قرائت یا نسخ کا تصور تک نہیں کیا جاسکتا ۔ ان کے علاوہ ایسی ہزاروں روایات خلامی حضرات کے مذہب کی کتب مُعتبرہ میں موجزن نظر آتی ہیں، اسی حقیقت کے پیشِ نظر تیسری صدی ہجری کے علامہ ابوعبید، قاسم بن سلام ہروی بغدادی نے تحریف قرآن پہ دلالت کرنے والی کثیر روایات کو ذکر کیا ہے، ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں: قبل ان یغیر عثمان المصاحف ...... عثمان کے قرآن کو بدلنے سے پہلے ہم اس آیت کو اس طرح پڑھا کرتے تھے ۔ کچھ روایات میں مذکور ہے کہ زمانہ پیغمبرؐ کے بعد حروف کو بدلا گیا، اس قسم کی روایات کو ذکر کرنے کے بعد علامہ ابوعبید اس امر کا واشگاف الفاظ میں اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں: فاما ما جاء من ھذہ الحروف التی لم یوجد علمھا الا بالاسناد والروایات التی یعرفھا الخاصۃ من العلماء دون عوام الناس (الی ان قال) فھذہ الحروف و اشباہ لھا کثیر ۔

بہرکیف جو روایات ان حروف کے بارے میں آئی ہیں کہ جن کی سند اور روایات سے صرف خاص علماء ہی آشنا ہیں، عوام الناس کو ان کا علم نہیں ...... روایات میں یہ حروف اور ان کے مشابہ دیگر الفاظ بہت زیادہ ہیں ۔ (فضائل القرآن، صفحہ ۱۵۴)

خدامیوں کے اس تیسری صدی کے مشہور عالم کے اِس بیان کہ بہت ساری ایسی روایات موجود ہیں جن میں الفاظِ قرآن میں تغیّر وتبدل اور اسقاط کا ذکر موجود ہے، عوام کی رسائی ان

روایات تک نہیں، خاص علماء ہی ان سے واقف ہیں، سے معلوم ہوا کہ ان خدامیوں کے اکابر اس حقیقت سے آشنا تھے کہ ان کی اپنی بہت ساری روایات تحریف قرآن کو بیان کرتی ہیں، لیکن انہوں نے اپنی عوام کالانعام کو ہمیشہ اندھیرے میں رکھ کر رشد و ہدایت سے محروم رکھا۔ اگر آج کے "خدامی" دعویٰ کریں کہ ان کی کتب میں تحریف کی روایات نہیں ہیں تو یہ ان کی جہالت ہے۔ ہم "خدامی تکفیری" حضرات سے یہی کہیں گے کہ ہمارے خلاف کچھ بھی تحریر کرنے سے قبل اپنے اکابر کی تصنیفات پر ضرور نظر ڈال لیا کریں۔ اسی تناظر میں آیاتِ قرآن کی تعداد پر نگاہ کیجیے، مشہور یہ ہے کہ قرآن مجید کی آیات چھ ہزار، چھ سو چھیاسٹھ (۶۶۶۶) ہیں، اس سلسلے میں خدامی حضرات کے اکابر کی کتب دیکھی جاسکتی ہیں، جبکہ موجودہ آیات کی تعداد چھ ہزار، دوسو چھتیس (۶۲۳۶) ہے، اس حساب سے چار سو تیس (۴۳۰) آیات کم بنتی ہیں۔ اس سے تو قرآن مجید میں تحریف بالنقیصہ لازم آتی ہے۔ جس سے قرآن مجید محرف ثابت ہوتا ہے۔ اب "خدامی" ہی بتائیں کہ چار سو تیس آیات کہاں ہیں؟ اگر بسم اللہ کو ہر سورہ میں الگ سے بطورِ آیت شمار کیا جائے تب بھی آیات کی تعداد چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ نہیں، بلکہ چھ ہزار تین سو پچاس بنے گی۔ اب جبکہ آیات کی تعداد صحیح شمار کے مطابق چھ ہزار دو سو چھتیس ہے تو چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ آیات کے قائلین پر کفر کا فتویٰ صادر کیا جائے گا؟ بظاہر ان کا یہ دعویٰ تحریف بالنقیصہ کا ہے۔

غیر کی آنکھوں کا تنکا تجھ کو آتا ہے نظر
دیکھ اپنی آنکھ کا غافل ذرا شہتیر بھی

چالیس پاروں والا قرآن......!

بخاری کے استاد حافظ اسحاق بن راہویہ اور احمد ابن حنبل کے مُقلّدین حنابلہ کے نزدیک قرآن مجید تیس کے بجائے چالیس پارے کا ہے چناں چہ حافظ ابن حجر عسقلانی صحیح بخاری کی شرح میں لکھتے ہیں: اقل یجزی من القراۃ فی کل یوم ولیلۃ جزء من اربعین جزأ من القرآن وھو منقول عن اسحاق بن راھویۃ والحنابلۃ۔ "جتنا ہوسکے قرآن کی تلاوت کریں برخلاف اس کے جو اسحاق ابن راہویہ اور حنبلیوں سے منقول ہے کہ کم از کم قرآن کی تلاوت اتنی کافی ہے کہ ہر روز و شب چالیس پاروں میں سے ایک پارہ پڑھا کریں"۔

(فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۸۲، المطبعۃ الکبریٰ ببولاق مصر الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۰۰ھ، قسطلانی شرح بخاری کتاب فضائل القرآن باب فی کم یقرأ القرآن جلد ۷ صفحہ ۳۸۵، مطبع نول کشور کانپور، عمدۃ القاری جلد ۹ صفحہ ۳۴۵ طبع دار الطباعۃ العامرۃ قسطنطنیہ ۱۳۰۵ھ، حاشیۃ السہارنپوری علی البخاری جلد ۲ صفحہ ۷۵۵ حاشیہ نمبر ۵، مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۲۲ھ)

شیعہ و سنی دونوں کا اس امر پر اتفاق ہے کہ قرآنِ مجید کے تیس پارے ہیں، دس پارے کہاں گئے؟ ویسے جو لوگ، چالیس پاروں کے قائل ہیں گویا وہ تحریف بالزیادہ کے قائل ہیں، محدث اسحاق بن راہویہ اور حنبلی مذہب کے اِن قائلین کے متعلق کیا فتویٰ صادر کیا جائے گا؟ دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا اس دور کے کسی مفتی نے اِن قائلین پر کفر کا حکم لگایا ہے؟ اُموی پروپیگنڈے کے زیر اثر بعض تکفیری عناصر، عوام میں یہ بات مشہور کرتے ہیں کہ شیعہ کا قرآن چالیس پارے کا ہے، حالانکہ شیعہ کے ہاں اس بات کا تصور تک موجود نہیں ہے، اِس کے برعکس اِن عناصر کے ہاں یہ باطل نظریہ پایا جاتا ہے، یہ بات اِن کی سرشت میں شامل ہے کہ اپنے جرائم کو دوسروں کے سر تھونپ دیتے ہیں، یہی صورتحال یہاں بھی نظر آتی ہے۔

قارئین محترم! ہم اپنے سلسلہ تحریر کے اس مرحلے پر گزشتہ قسط میں دیے گئے ان حوالہ جات کی روشنی میں کچھ تبصرہ کرنا ضروری خیال کرتے ہیں جو اہل تشیع پر تحریف کا الزام لگانے والوں کے بزرگان اور صحابہ کرام سے مروی صحیح الاسناد و مُسلّم روایات سامنے لائی گئی ہیں۔ مضمون کی طوالت کے خوف سے صرف چند ایک روایات نقل کی گئی ہیں۔ ہم نے جو روایات نقل کی ہیں وہ بطور نمونہ ہیں اور صحیح السند بھی، ان کے بارے سلفی صاحب نہ جانے کیا

تاویل لے کر آتے ہیں۔ مگر ہم نے تو اس حقیقت کو قارئین حق شناس کے سامنے بغیر لگی لپٹی کے انہی کی مستند کتب کے حوالہ جات اور بزرگان کی زبانی نقل کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ عقل مندوں کے لیے اشارہ ہی کافی ہوتا ہے، یہاں تو مکمل روایات درج کردی ہیں کہ کون قرآن مجید کی تحریف کا قائل ہے، کس صحابی اور صحابیہ کا کیا نظریہ ہے اس کے بعد قارئین بہتر فیصلہ کرسکتے ہیں کہ کون تحریف کا قائل ہے اور کون جھوٹ وافترا باندھ رہا ہے۔

میرا نہیں خیال کہ ام المومنین حضرت عائشہؓ سے بڑھ کر ان کے لیے کوئی حجت ہو، اگر انہی کے قول اور روایات کو کہ جس کا صرف ایک شمہ اس سے پہلے صحیح السند حوالوں کے ساتھ درج کیا گیا ہے، اسی کو لے کر آگے بڑھیں تو سمجھنے والے کے لیے یہ مسئلہ حل طلب نہیں رہتا، ہاں اگر معاملہ چور مچائے شور والا ہو یا کسی کی روایتی ہٹ دھرمی کی بات ہو یا پراپیگنڈا کی عادت سے مجبور کوئی خدامی فکر کا پروردہ ہو تو اس کے لیے قلم و کتاب اور دلیل و برہان کے راستے کے علاوہ راہ اپنانے کی ضرورت پڑسکتی ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ اور حضرت ابی ابن کعبؓ معوذتین کو قرآن کا حصہ نہیں مانتے تھے اور نماز میں ان کی تلاوت بھی نہیں فرماتے تھے ان کے بارے میں تکفیری مفتیان کی رائے سامنے آنی چاہیے۔ اسی طرح ام المومنین حضرت عائشہؓ نے آیت رضاعت کبیر اور آیت رجم کے بارے روایت (اسناد حسن) بیان فرمائی اور فرمایا کہ ان کے پاس یہ آیات محفوظ تھیں مگر رحلت رسولؐ کے بعد ایک بکری گھر میں داخل ہوئی اور کھا گئی۔ بہر حال یہ بہت عجیب ہے کہ بکری آیات کھانے پہ مامور تھی اسے گھر میں اور کچھ کھانے کو نہیں ملا۔ مگر ہم اس صحیح السند روایت کو تسلیم کرتے ہوئے سلفی صاحب سے بھی یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ بھی اسے صحیح السند تسلیم کریں گے۔ اب سوال یہ ہے کہ اس روایت کی رو سے حضرت عائشہؓ پر آپ کیا حکم لگائیں گے، ہم تو اس بارے سوچ بھی نہیں سکتے کہ ام المومنینؓ کو کسی خاص گروہ جیسے تحریف کے قائلین یا تحریف کے مخالفین میں شمار کریں، آپ ہی اپنے زورِ قلم سے وضاحت فرماسکیں تو بہتر ہوگا اور انصاف کا تقاضا تو یہی ہے کہ اگر آپ کسی گروہ، مکتب یا فرقہ و مذہب پر کوئی الزام لگا کر اس کے خلاف فتویٰ صادر کرتے ہیں جبکہ وہ الزام اس پر ثابت بھی نہ ہوسکے اور وہی الزام اگر کسی دوسرے جو آپ کو بہت زیادہ عزیز ہو اس پر ثابت ہوجائے یا وہ خود اس کا اقرار کرلے تو آپ کی زبانیں گنگ اور قلم کی سیاہی خشک نہیں ہونی چاہیے مگر یہ حق و انصاف کے پیروکاروں کے لیے ہے جن کا وطیرہ ہی جھوٹ وافتراء ہو، جو جھوٹ کے پروردہ ہوں، جن کی نظریں دوسروں کی آنکھ کا تنکا اور اپنوں کی آنکھ کا شہتیر دیکھنے سے قاصر ہوں، ان سے ایسے ہی رویوں کی توقع کی جاسکتی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ امت میں تفرقہ ایجاد کیا جائے اور وحدت پر کاری ضربیں لگائی جائیں، استعمار کی نوکری کا یہی تو تقاضا ہے۔

حالاتِ حاضرہ کے افق پر بھی آپ منصف مزاج قارئین اس گروہ کی چالاکیاں ملاحظہ فرماسکتے ہیں کہ ان کے لیے اگر بحرین کے عوام اپنے حقوق کے لیے اُٹھ کھڑے ہوں تو غداری کے زمرے میں آتا ہے اور اگر شام میں امریکی، اسرائیلی و تمام غیر جمہوری ریاستوں کے شاہانِ وقت کی دولت کی برسات سے ۸۳ ممالک کے دہشت گرد گھس بیٹھیے لاکھوں کی تعداد میں اس پرامن ملک کی چولیں ہلادیں، مزارات اصحاب پیغمبرؐ اور مقدسات کی توہین کا برملا ارتکاب کریں تو انہیں اسلام کے مجاہدین کہا جاتا ہے، عجیب مجاہدین اسلام ہیں جن کی عیاشی کے لیے ایک طرف تو تکفیری فتوےٰ باز جہاد النکاح، لواط اور نہ جانے کتنی قسم کے فتوے صادر کرتے ہیں اور دوسری طرف اسلام کے ازلی و ابدی دشمن اسرائیل کے ہسپتالوں میں ان مجاہدین کے زخموں کا علاج کیا جاتا ہے۔ ایسے ہی پاکستان میں یہی گروہ تحفظ ناموسِ صحابہ کے نام پر قتل وغارت گری کا ارتکاب کرتا ہے اور جھوٹے پرچے درج کرواتا ہے جبکہ شام، بحرین، لیبیا، مصر میں اصحاب رسول کے مزارات اور مقدسات اسلامی کی توہین و تباہی پر فخر کرنے والوں کو مجاہدین اسلام بنا کر پیش کرتا ہے، یہ دوغلی پالیسی اور جھوٹی محبت

کے دعوے اب زیادہ دیر تک عوام کو بے وقوف نہیں بنا سکتے۔

خدا کا شکر ہے کہ ۸۳ ممالک کے دہشت گردوں کو شام میں عبرت ناک شکست سے دوچار کیا گیا ہے فتووں کی فیکٹریاں لگانے والے اُمیہ کے خانوادے کو اب اپنی ہی پڑ گئی ہے جو ان دہشت گردوں کو اپنے ملک میں واپس نہیں آنے دے رہے۔

کہتے ہیں دوسروں کے لیے اگر گڑھا کھودا جائے تو خود اس میں گرنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ آج اس گروہ کے ساتھ ایسا ہی ہوا ہے۔ آج سب سے زیادہ شامی دہشت گردوں سے سعودیہ کو خطرات لاحق ہیں جہاں پہلے ہی القاعدہ نامی استعماری خدمت گار قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔

بہر حال بات تحریف کی ہو رہی تھی جس کا الزام اہل تشیع پر لگا کر ان کو کافر ثابت کیا جاتا ہے۔ ہم نے شائستگی و تہذیب کے دائرے میں بات کرتے ہوئے اس کا ثبوت دے دیا ہے کہ کون کون اس کا قائل ہے، کس کس نے قرآن مجید میں کمی یا زیادتی کی بات کی ہے، کس کا تعلق کس مکتب سے ہے، اور ایسے گھٹیا و بھونڈے الزامات لگانے والوں کے پروپیگنڈا کا ہدف کیا ہے، اب ہم اسی سلسلہ کو جاری رکھتے ہوئے اسی مکتب کے ایک اور بزرگ انور شاہ کشمیری کا نظریہ پیش کرتے ہیں کہ وہ بھی اس حوالے سے ایک واضح رائے رکھتے تھے اور انہوں نے اپنی رائے اور نظریہ کا اظہار بھی کیا۔

تحریف قرآن اور انور شاہ محدث کشمیری:

علامہ محمد انور شاہ محدث کشمیری جو بالواسطہ مولانا قاسم نانوتوی کے شاگرد ہیں آپ پہلے دیوبند پھر ڈابھیل میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز رہے۔ صحیح بخاری کی تدریس کے دوران کتاب الشہادات باب "لایسئل اہل الشرك عن شهادة"......کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "کتب سماویہ میں واقعہ تحریف کے بارے میں اہل سنت کے تین نظریات ہیں۔ پہلا نظریہ یہ ہے کہ بعض اہل سنت اس امر کے قائل ہیں کہ کتب سماویہ میں لفظی و معنوی دونوں طرح کی تحریف ہوئی ہے۔ ابن حزم اندلسی وغیرہ کا یہی نظریہ ہے۔ دوسرا یہ کہ یقیناً لفظی و معنوی دونوں طرح کی تحریف ہوئی ہے مگر انتہائی قلیل مقدار میں۔ تیسرا یہ کہ لفظی تحریف نہیں ہوئی البتہ معنوی تحریف یقینی طور پر ہوئی ہے"۔

اس کے بعد انور شاہ کاشمیری صاحب قرآن مجید کے بارے میں اپنا تحقیقی عقیدہ اس طرح بیان کرتے ہیں:

قلت یلزم علی هذا المذهب ان یکون القرآن ایضا محرفا فان التحریف المعنوی غیر قلیل فیه ایضا والذی تحقق عندی ان التحریف فیه لفظی ایضا اما انه عن عمد منهم او لمغلطة

"میں کہتا ہوں کہ اس نظریہ کی بنیاد پر یہ لازم آتا ہے کہ قرآن میں بھی تحریف کی گئی ہے۔ پس بلاشبہ معنوی تحریف تو اس میں بھی بہت زیادہ ہوئی ہے لیکن جو بات میرے نزدیک تحقیق سے ثابت ہے وہ یہ ہے کہ قرآن میں لفظی تحریف بھی واقع ہوئی ہے یا تو تحریف ان سے جان بوجھ کر ہوئی ہے یا غلطی سے سرزد ہوئی ہے"

(فیض الباری علی صحیح بخاری ج ۳ ص ۳۹۵ ناشر المجلس العلمی ڈابھیل، انڈیا، الطبعة الاولی ۱۹۳۸ء)

عالی قدر قارئین! دیکھا آپ نے کہ علامہ انور شاہ محدث دیوبندی نے اپنے وسیع مطالعہ اور گہرے غور و فکر کے بعد تحقیقی فیصلہ صادر کر دیا کہ قرآن کریم کے جامعین نے اس میں یا تو جان بوجھ کے تحریف کر ڈالی ہے یا انہوں نے کسی غلطی کی بنیاد پر تحریف کی ہے لیکن غلطی سے تحریف قرآن کا امکان بہت کم ہے۔ علامہ انور شاہ محدث نے اپنے تمام تلامذہ کے مجمع میں اپنے نظریہ کا اظہار کیا، فیض الباری کے جامع اور مدوّن، دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث علامہ بدر عالم میرٹھی نے بھی شاہ صاحب کے اس نظریہ کو لکھ کر اس پر کوئی تردیدی تبصرہ نہیں کیا۔ چنانچہ مشہور ضابطہ "السکوت فی معرض البیان بیان" کے تحت ان کے شاگرد بدر عالم میرٹھی بھی اپنے استاد انور شاہ کے ہم نظریہ ہیں۔ اس وقت شیخ الحدیث کے سامنے جتنے طلبہ زانوئے تلمذ تہ کیے ہوئے تھے، سب کے سب اسی نظریہ کے حامل قرار پاتے ہیں۔ بعض افراد نے مولانا محمد انور شاہ صاحب کی محولہ بالا عبارت ......ان التحریف فیه لفظی ایضا

......میں لفظ ''فیہ'' قرار دینے کی کوشش کی ہے، اور اس کا مرجع قرآن کریم کے علاوہ دیگر کتب سماویہ کو بنایا ہے جن کا ذکر محدث انور شاہ صاحب کی مذکورہ عبارت سے پہلے موجود ہے۔ جیسا کہ محمد یوسف لدھیانوی صاحب نے اس عبارت کا جواب دیا ہے اور اس سلسلے میں انہوں نے مولانا سرفراز خان صفدر صاحب کا ایک خط بعنوان: ''امام اہل سنت کا مکتوب'' درج کیا ہے کہ اس عبارت میں ''فیہا'' کی جگہ ''فیہ'' لکھا گیا ہے اصل عبارت یوں ہے: ان التحریف فیھا (ای الکتب السماویۃ کالتوراۃ والانجیل وغیرھما)۔ ''ایضا فیہ'' کی ضمیر مفرد مذکر کی وجہ سے یہ مغالطہ ہوا کہ شاید قرآن میں تحریف ہوئی ہے (ملاحظہ ہو ''آپ کے مسائل اور ان کا حل'' حصہ ۹ صفحہ ۱۴۵ ناشر کتب خانہ نعیمیہ دیوبند اشاعت اول ۲۰۰۰ء)

اس کے علاوہ جامعہ خیر المدارس ملتان سے شائع ہونے والا ماہنامہ ''الخیر'' مجریہ اپریل ۲۰۰۰ء صفحہ ۲۷ پر بھی یہی جواب دیا گیا ہے لیکن ان تمام حضرات کا استدلال بالکل غلط اور غیر منطقی ہے۔ ارباب بصیرت اس امر سے اتفاق کریں گے کہ ان کا یہ جواب ''توجیہ القول بما لا یرضی بہ القائل'' کے زمرے میں آتا ہے اس لیے کہ ''فیہ'' میں واحد مذکر غائب کی ضمیر اس خیال کا ساتھ نہیں دیتی، نیز یہ کتابت کی غلطی نہیں اور نہ ہی سہو مدون ہے بارہا اس کتاب (فیض الباری) کی اشاعت ہو چکی ہے اور بلند پایہ عالم شیخ الحدیث مولانا بدر عالم میرٹھی ان مروجہ عربی قواعد ولغت کی کامل مہارت رکھتے تھے ان کے علاوہ بہت سے ذمہ دار علماء مولانا شبیر احمد عثمانی اور مولانا یوسف بنوری جامعۃ العلوم الاسلامیہ کراچی بھی ایک طرح سے فیض الباری کی تدوین میں شامل تھے۔ اس متن پر ان کی گہری نظر تھی۔

پوری عبارت کا سرسری مطالعہ کرنے سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ ''فیہ'' کا مرجع یقیناً قرآن کریم ہی ہے جیسا کہ اس سے متصل قبل ''غیر قلیل فیہ ایضا'' میں وارد لفظ ''فیہ'' مرجع قرآن ہے جس میں کسی کو شک وشبہ نہیں ہو سکتا۔ جب شاہ صاحب قرآن میں معنوی تحریف کو ''غیر قلیل فیہ ایضا'' کہہ رہے ہیں تو اس کے فوراً بعد ''والذی تحقق عندی......'' بھی قرآن ہی سے متعلق ہے۔ عقلاء اس حقیقت سے بخوبی آشنا ہیں کہ اس موقف پر ضمیر ''فیہ'' ایک نہایت مستحکم اور مضبوط دلیل ہے اگر یہ کہا جائے کہ پہلی عبارت تو قرآن سے متعلق ہے لیکن دوسری عبارت والذی تحقق عندی...... سے شروع ہونے والی عبارت دیگر کتب سماویہ سے متعلق ہے۔ اگر علیٰ وجہ التسلیم یہ بات مان بھی لی جائے کہ ''فیہ'' سے مراد دیگر آسمانی کتابیں ہیں تو حضرت انور شاہ صاحب کی عبارت ''اما انہ عن عمد منھم او لمغلطۃ'' کے وضاحتی الفاظ اس نظریہ کی قطعی طور پر نفی کرتے ہیں اس لیے کہ یہ کتب سماویہ کے محرفین یہود ونصاریٰ کو بری الذمہ قرار دینا ہے کہ انہوں نے جان بوجھ کر تحریف نہیں کی بلکہ غلطی سے یہ قول ان سے سرزد ہوا ہے تو گویا یہاں شاہ صاحب واضح طور پر تحریف کے مرتکب یہود ونصاریٰ کی حمایت اور دفاع کر رہے ہیں اور اس جرم سے ان کی برائت کیلئے راستہ فراہم کر رہے ہیں۔

مولانا محمد انور شاہ جیسے نکتہ رس محدث کے لیے یہ مناسب نہیں تھا کہ وہ یہود ونصاریٰ کی حمایت ودفاع میں ایسے کلمات کہیں اور نہ ہی انہوں نے کہے ہیں لہٰذا ''والذی تحقق عندی ......'' سے شروع ہو کر ''لمغلطۃ'' پر ختم ہونے والی عبارت یقیناً قرآن کریم اور جامعین کے بارے میں ہی ہے ''منھم'' کی ضمیر غائب کا مرجع تحریف کے مرتکب افراد ہیں اس کے برعکس مفہوم اخذ کرنا انور شاہ صاحب کے کلام کی معنوی تحریف ہے۔ اگر اس ضمیر کو ''فیہا'' قرار دیا جائے تو اس کا لازمہ ہوگا کہ یا تو قرآن کریم سمیت تمام کتب سماویہ کو محرف مانا جائے یا تمام کتب سماویہ کو مصؤن عن التحریف قرار دیا جائے جو کہ صریح البطلان ہے۔ مزید برآں مکتب دیوبند کے عظیم مفکر مولانا ڈاکٹر رضوان علی ندوی اپنے ایک مکتوبِ گرامی میں مولانا سرفراز خان صفدر کے ایک خط میں انور شاہ صاحب کی محولہ بالا عبارت پر تبصرہ کرتے ہیں:

''آپ نے فیض الباری کی ایک عبارت سے متعلق مولانا سرفراز خان صاحب صفدر کی توجیہ پیش کی ہے کہ مرحوم مولانا انور شاہ صاحب کشمیری کا مقصد ان کی مذکورہ عبارت سے کتب سماویہ

میں لفظی تحریف کا وقوع ہے اور فیض الباری کی عبارت میں کتابت کی غلطی سے "فیہا" کی بجائے "فیہ" چھپ گیا ہے مگر میرے نزدیک یہ توجیہ درست معلوم نہیں ہوتی کیونکہ کتب سماویہ میں تحریف لفظی تو خود قرآن سے ثابت ہے۔ یحرفون الکلم عن مواضعہ "وہ کلام کو اس کی جگہ سے ہٹا کر تحریف کر دیتے ہیں" (المائدہ) جہاں تک تحریف معنوی کا تعلق ہے تو مولانا انور شاہ صاحب نے صراحت سے کہا ہے کہ وہ دیگر کتب سماویہ (تورات و انجیل) کی طرح قرآن میں بھی کافی ہوئی ہے (غیر قلیل) عبارت کا سیاق کہہ رہا ہے کہ لفظی تحریف سے ان کا مقصد ہے کہ قرآن میں لفظی تحریف ہوئی ہے مُصنّف تو اب موجود نہیں کہ ان سے پوچھا جائے کہ آپ نے یہاں "فیہا" لکھا تھا یا "فیہ" بہر حال حسنِ عقیدت کا تقاضا وہی ہے جو مولانا سرفراز خان صاحب نے لکھا ہے اور اس سے مسئلہ حل ہو جاتا ہے اگرچہ آخر کا جملہ "اما عن عمد منہم او لمغلطۃ" اس توجیہ کی تائید نہیں کرتا۔ اگر اہل کتاب نے قصداً نہیں بلکہ غلط طور پر کیا ہے تو ان پر کوئی حرف نہیں آتا ہے۔" (مکتوب گرامی مجریہ ۲۷ اگست ۱۹۹۸ء) (اس مکتوب کی اصل کاپی ہمارے پاس موجود ہے)

مندرجہ بالا امور سے واضح ہوا کہ اس عبارت میں مولانا محمد انور شاہ صاحب محدث دیوبندی سے قرآن میں لفظی تحریف کے وقوع کو درست مانا ہے "او لمغلطۃ" کے الفاظ سے اس فعل کے مرتکب افراد کو تحریف کا مجرم بننے سے بچانے کی سعی ہے اس لیے کہ غلطی یا غلط فہمی کے نتیجے میں ہونے والے جرم پر مجرم کو بری الذمہ قرار دینا نسبتاً آسان ہے۔ ایسا دفاع یقیناً مرتکب افراد ہی کا کیا جا سکتا ہے تاکہ وہ تحریف کے جرم پر مجرم قرار نہ دیے جا سکیں ورنہ اس سلسلے میں یہود و نصاریٰ کی حمایت و تحفظ کا راستہ نکالنا انور شاہ صاحب یا کسی بھی مُسلمان شخص کے لیے زیبا نہیں ہے۔ خود اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو تحریف کا صریح مجرم قرار دے رہا ہے۔ قرآن کریم میں اس بات کا تذکرہ موجود ہے کہ یہودیوں نے دیدہ و دانستہ اللہ تعالیٰ کے کلام اور اس کے احکام میں تحریف اور تغیّر و تبدل کیا ہے چنانچہ ارشاد ہے: یحرفونہ من بعد ما عقلوہ وہم یعلمون "وہ جانتے ہوئے جان بوجھ کر اس (کلام الٰہی) کو بدل ڈالتے تھے (البقرۃ:۷۵) اور شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ اس آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں: "اور تحریف سے مراد ہے کہ اس کی آیات میں تحریف لفظی و معنوی کرتے تھے کبھی آپ کی نعت کو بدلا اور کبھی آیت رجم کو اڑا دیا وغیرہ (تفسیر عثمانی صفحہ ۱۵، حاشیہ نمبر ۱ طبع مدینہ پریس بجنور)

صرف یہی نہیں بلکہ ان کی تحریف کی پاداش میں لعنت بھی واقع ہے جیسا کہ سورہ مائدہ آیت ۱۳ میں ہے کہ فبما نقضهم میثاقهم لعنهم وجعلنا قلوبهم قسية يحرفون الكلم عن مواضعه "پس ہم نے ان کی عہد شکنی کی وجہ سے ان پر لعنت کی اور ان کے دلوں کو ہم نے سخت بنا دیا (کہ ہمارے) کلمات کو ان کے اصلی معنوں سے بدل کر دوسرے معنوں میں استعمال کرتے ہیں"۔ اس آیت میں یحرفون الکلم عن مواضعہ درحقیقت ان کے نقض میثاق کا بیان ہے جبکہ میثاق کا ذکر اس سے قبل آیت نمبر ۱۲ میں ہو چکا ہے۔ ان آیات محولہ سے یہ نتیجہ بخوبی ظاہر ہے کہ جس تحریف کی وجہ سے اللہ تعالیٰ انہیں ملعون قرار دے رہا ہے، لامحالہ وہ تحریف انہوں نے عمداً کی تھی نہ کہ از روئے سہو و اشتباہ ہے۔ اس طرح کے واضح قرآنی فیصلے کی موجودگی میں محال ہے کہ انور شاہ صاحب یہ کہیں کہ یہود و نصاریٰ نے غلط فہمی سے کتب سماویہ میں تحریف کی ہے کیا محدث انور شاہ صاحب ان قرآنی آیات سے بالکل ناواقف تھے؟

علیٰ سبیل التنزل:

اگر مندرجہ بالا عبارت میں "فیہا" ہی کو مان کر کتب سماویہ مراد لی جائیں تب بھی ان میں قرآن شامل ہے کیونکہ انور شاہ صاحب نے کتب سماویہ کی بحث میں قرآن کا ذکر کیا ہے اور قرآن کتب سماویہ ہی میں شامل ہے جب یہ بات ذہن نشین اور دل میں جاگزین ہو گئی تو یقیناً تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ شاہ صاحب قرآن کریم میں لفظی تحریف کے قائل ہیں۔ اب انور شاہ صاحب اور بدرِ عالم میرٹھی کے بارے میں کیا فیصلہ صادر ہو گا؟ کیا یہ حضرات ملت اسلامیہ میں شامل ہیں یا خارج از اسلام ۔۔۔؟

ایک توہم کا ازالہ:

آخر جب ان پر معقول دلائل کی تمام راہیں مسدود ہوگئیں تو انہوں نے فیض الباری (جلد نمبر ۴ صفحہ ۵۳۷) کی ایک عبارت کا سہارا لیا ہے اس سلسلہ میں جواباً گزارش ہے کہ جناب سرفراز خان صاحب صفدر نے جس عبارت کی طرف اشارہ کیا ہے اس کا ہماری زیر بحث عبارت سے قطعاً کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی اس سے ان کا مدعا ثابت ہوتا ہے۔ لیجئے ہم اصل عبارت ہدیہ قارئین کرتے ہیں، ذرا اس پر نگاہِ انصاف ڈال لیں پھر اپنا غیر جانب دارانہ فیصلہ صادر فرمائیں۔ وہ عبارت یہ ہے:

واعلم ان اقوال العلماء فی دفاع التحریف ودلائلھم کلھا قد قضی عنہ الوطرالمحشی فراجعہ والذی ینبغی فیہ النظر ھھنا انہ کیف ساغ لابن عباس انکار التحریف اللفظی مع ان شاھد الوجود یخالفہ کیف وقد نعی علیھم القرآن انھم کانوا یکتبون بایدھم ثم یقولون (ھو من عند اللہ وما ھو من عنداللہ) وھل ھذا الاتحریف لفظی ولعل مرادہ انھم ماکانوایحرفونھاقصداولکن سلفھم کانوا یکتبون مرادھا کما فھموہ ثم کان خلفھم یدخلونہ فی نفس التوراۃ فکان التفسیر یختلط بالتوراۃ من ھذا الطریق

''اور جان لیجئے کہ تحریف کے واقع ہونے میں علماء کے تمام اقوال اور دلائل کے متعلق اہم حاشیہ مکمل ہوچکا ہے اسے دیکھ لیجئے اور یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ ابن عباسؓ کے لیے لفظی تحریف کا انکار کیسے جائز ہے جبکہ تحریف کے وجود کی دلیل اس کے خلاف ہے۔ کیسے! جبکہ قرآن کریم ان (یہود) کے بارے میں نشاندہی کرتا ہے کہ وہ اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ وہ اللہ کی طرف سے ہے۔ حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں اور یہ لفظی تحریف ہی ہے۔ شاید اس سے مراد یہ ہو کہ قصداً اسے نہیں بدلتے تھے بلکہ ان کے اسلاف اس کی تشریح جوان کی سمجھ میں آتی لکھ دیتے اور پھر ان کے بعد آنے والے (یہودی) اسے تورات کے متن میں شامل کردیتے یوں تورات کے متن میں تفسیر مخلوط ہوکر شامل ہوگئی''۔

عالی قدر قارئین! آپ نے مندرجہ بالا عبارت کو ملاحظہ فرمالیا ہے۔ اب ذرا غور کیجیے اور از راہ نظر انصاف فرمائیں کہ اس عبارت میں تحریف قرآن کی نفی یا اثبات کے بارے کہیں کوئی ذرا سا بھی گفتگویوں کا پہلو پایا جاتا ہے؟ تو ظاہر بات ہے کہ جواب یقیناً نفی میں ہوگا یہ امر ہمارے ادراک وفہم سے بالاتر ہے کہ سرفراز خان صاحب کا آخر اس عبارت کو پیش کرنے کا مفاد ومنشاء کیا ہے؟ سرفراز صاحب نے اصل مطلب کو خلط ملط کرنے کے لیے ہاتھ پاؤں بہت مارے ہیں لیکن ؏

کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے

حالانکہ اس عبارت کو اگر پوری طرح زیر غور لایا جائے تو یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ یہاں تورات کی بات ہورہی ہے نہ کہ قرآن کریم کی۔ دراصل مصنف کہنا یہ چاہتے ہیں کہ یہود تورات میں تغیر وتبدل کرتے تھے حتی کہ مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ اس میں مزید تحریف ہوتی چلی گئی۔ اب اس بات کا قرآن کریم سے کیا تعلق؟ ہاں البتہ قارئین کو خصوصی طور پر (فیض الباری جلد ۳ صفحہ ۳۹۵ کی) اپنی گزشتہ تفصیلی بحث کی طرف مراجعت کرنے کا ضرور کہنا ہے جس سے ہمارے مضمون بالا کی تائید ہوتی ہے نیز اس محولہ بالا عبارت سے صفدر صاحب کا پیش کردہ شبہ بھی زائل ہوجاتا ہے مزید برآں محدث کشمیری نے اپنی زندگی کی تحقیق کا نچوڑ پیش کرکے واضح الفاظ میں قرآن کریم میں لفظی تحریف کا اقرار کیا ہے۔

ہم نے اجمالی طور پر اس امر کی حقیقت عیاں کردی ہے جس سے محدث کشمیری کے موقف کو صحیح طور پر معلوم کیا جاسکتا ہے اس دور کے مشاہیر علماء میں سے مولانا مفتی قاضی عبدالکریم کلاچوی فاضل دارالعلوم دیوبند نے شاہ صاحب کے موقف کو سمجھا ہے جیسا کہ مولانا مفتی محمد فرید جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے محدث کشمیری کی محولہ بالا عبارت کے بارے میں بایں الفاظ استفسار کیا ''مخطوطہ'' (خط کشیدہ) عبارت پڑھ کر سر چکرا گیا......

حضرت شاہ صاحب کے الفاظ: والذی تحقق عندی ان التحریف

لفظی ایضا فیہ اما انہ عن عمد منہم او لمغلطۃ...... مفتی محمد فرید صاحب نے شاہ صاحب کی عبارت پر کئی طرح سے پیچ وتاب کھائے ہیں بجائے تسلی بخش جواب دینے کے چکر میں خود کو فیہا کی ضمیر میں پھنسا بیٹھے ہیں (ملاحظہ ہو فتاویٰ دیوبند پاکستان، المعروف بہ فتاویٰ فریدیہ، جلد ۱ صفحہ ۲۸۱، ۲۸۲، ناشر دار العلوم صدیقیہ زروبی ضلع صوابی ۲۰۰۲ء) تحقیق کے میدان میں اس قسم کے رکیک احتمالات کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اب سطور گزشتہ میں پیش کی گئی ہماری سابقہ تحقیق کی طرف دوبارہ عنانِ توجہ مُلتفت فرمائیں۔

ایک ضروری وضاحت: یہاں یہ ذکر کر دینا بے جا نہ ہوگا کہ مولانا محمد انور شاہ کشمیری الدیوبندی نسب کے لحاظ سے سید نہیں بلکہ غیر سید ہیں نہ جانے ان کے پیروکار انہیں سادات میں کیوں شامل کرتے ہیں اس سلسلے میں ان کے صاحبزادے مولانا انظر شاہ مسعودی شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند نے اپنے سید ہونے سے انکار کیا ہے۔ چنانچہ اپنے والد کا حسب ونسب بیان کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ: ''یہ تصریح بھی غیر مناسب نہ ہوگی کہ یہ بے بضاعت (انظر شاہ) اپنے قلم سے اپنے لیے سید نہیں لکھتا...... ان شجروں میں حضرت شاہ صاحب کا منتہائے نسب حضرت سیدنا امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ ہیں'' (نقش دوام صفحہ ۲۳ طبع لاہور) مزید تفصیل کے لیے انوار الباری شرح بخاری جلد ۲ صفحہ ۲۳۷ طبع بجنور جو ان کے شاگرد و داماد سید احمد رضا بجنوری کی مرتب کردہ کتاب ہے، اس کی طرف رجوع کیا جائے۔ (جاری ہے)

بقیہ باب الاعمال

پڑے گی۔

وعلیٰ ہذا القیاس! خوب صورت لڑکی کی زیادہ اور بدصورت کی کم اور لڑکے میں اس کے برعکس قیمت ادا کرنا پڑتی ہے...... اسی طرح اس کے باکرہ یا بیوہ یا مطلقہ ہونے کی حیثیت کو مدنظر رکھ کر اس کی قیمت کا تعین کیا جاتا ہے۔

حالانکہ شرعی نقطہ نظر سے آزاد مرد اور آزاد عورت کی خرید وفروخت مُطلقاً حرام ہے۔ لہٰذا اسلام کے دعویدار اور ایمان کے علمبردار کے لیے اس بری رسم سے اِجتناب کرنا لازم ہے۔ اسی طرح لڑکے والوں سے لڑکی کی شادی کا خرچہ وصول کرنا بھی معیوب رسم ہے جو بعض علاقوں میں جاری ہے۔ جو بالکل نامناسب ہے۔ کیونکہ اس سے جہاں لڑکی والوں کی کمینگی ظاہر ہوتی ہے وہاں لڑکے پر بہت زیادہ بوجھ بھی پڑتا ہے، جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ لڑکی ایک زرخرید لونڈی سمجھی جاتی ہے اور بیوی شوہر کی لونڈی بن کر رہ جاتی ہے، جس کا انجام بد یہ ہوتا ہے کہ اگر اس کا شوہر مر جائے تو اس کی بیوہ کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ متوفی کے بھائی سے لازماً شادی کرے۔

اس طرح متوفی کی دوسری جائیداد کی طرح اس کی بیوہ بھی اس کے وارثوں کو مل جاتی ہے اور اگر متوفی کا کوئی بھائی نہ ہو تو پھر اسے کسی اور کے حبالہ عقد میں دے کے اس سے اپنی ادا کردہ قیمت وصول کر لی جاتی ہے۔

یہ ہے اس رسم بد کا بد انجام اور وہ تھا آغاز۔ جسے ''دیور'' کہا جاتا ہے۔ لہٰذا اس رسم بد کا قلع قمع کرنا ضروری ہے۔

جہاد کے معنی بے پناہ جد و جہد اور کوشش کرنے کے ہیں ۔ یہ کوشش غلط راہ میں بھی ہو سکتی ہے اور صحیح راہ میں بھی۔ اسی لیے قرآن مجید نے بار بار ''جہاد فی سبیل اللہ'' کا تذکرہ کیا ہے کہ مُسلمان اور مومن کا کام راہِ خدا میں سعی اور کوشش بلیغ کرنا ہے کسی دوسری راہ میں نہیں ۔

یہ جہاد مختلف انداز سے ہو سکتا ہے ۔ قلم سے بھی ممکن ہے اور زبان سے بھی ۔ اسلحہ سے بھی ہو سکتا ہے اور افرادی قوت سے بھی ۔

اسلام نے بوقتِ ضرورت ہر قسم کے جہاد کا مطالبہ کیا ہے اور صاحبانِ قلم سے حق کی راہ میں قلم چلانے کا مطالبہ کیا ہے تو صاحبانِ خطابت سے زبان چلانے کا، اسلحہ چلانے والوں سے اسلحہ استعمال کرنے کا تقاضا کیا ہے تو افرادی قوت رکھنے والوں سے اسی طاقت کے استعمال کا مطالبہ کیا ہے ۔

جہاد کی تمام قسموں میں سے ایک قسم میدانِ جنگ میں دشمن سے مُسلح مقابلہ کرنا ہے ۔ جسے اصطلاحی طور پر قتال کہا جاتا ہے، ورنہ جہاد مختلف اعتبارات سے ہمہ وقت ممکن ہو سکتا ہے، بلکہ بقدرِ طاقت واجب بھی ہوتا ہے ۔

جب تک دنیا میں دشمنانِ حق و حقیقت زندہ رہیں گے اور شیطان رجیم کا وجود باقی رہے گا، حق پر طرح طرح کے سیاسی، سماجی، اقتصادی، ادبی، اخلاقی حملے ہوتے رہیں گے ۔ مُسلمان پر بہر حال جہاد واجب رہے گا ۔

یہ جہاد صرف مردوں کا کام نہیں ہے بلکہ عورت پر بھی بقدر امکان جہاد واجب ہے کہ اگر مُسلح مقابلہ میں اس کی ضرورت نہیں ہے تو نہ ہو لیکن دیگر مجاہدات میں اس کی شرکت بہر حال لازم ہے ۔

اس کے علاوہ جہاد کی ایک قسم داخلی جہاد بھی ہے، جہاں انسان کو خارجی دشمن سے نہیں اپنے نفس سے مقابلہ کرنا ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ اس جہاد کے لیے میدانِ جنگ کی ضرورت نہیں ہے اور نہ اس کا کوئی وقت اور زمانہ معین ہے ۔ یہ ہمہ وقت ہے اور ہمیشہ رہے گا اور انسان کے داخل میں عقل اور نفس کی یہ جنگ جاری رہے گی اور مُسلمان ہمہ وقت میدانِ جہاد میں رہے گا ۔

شاید اسی طرح جہاد کے اعتبار سے مسجد کے مرکزی مقام کو محراب کہا جاتا ہے کہ وہاں انسان اور شیطان یا عقل اور نفس کی جنگ برابر جاری رہتی ہے اور نمازی ہر آن شیطان پر غالب آنے کی کوشش کرتا رہتا ہے ۔ یہ اور بات ہے کہ اکثر اوقات شکست کھا جاتا ہے اور اخلاص عمل یا توجہ نفس میں فرق آجاتا ہے اور کبھی کبھی کامیاب بھی ہو جاتا ہے ۔

کامیابی کی بھی دو قسمیں ہیں ۔ کبھی انسان اپنے خیال میں اور اندازہ میں کامیاب ہوتا ہے اور دشمن اس کامیابی کا اقرار نہیں کرتا ہے اور کبھی دشمن بھی اس کامیابی کا

اقرار کرلیتا ہے اور ندائے غیب بھی اس فتح مبین کی تائید کردیتی ہے۔ جیسا کہ امام زین العابدین علیہ السلام کے واقعہ میں ملتا ہے کہ جب سانپ انگوٹھا چبانے کے باوجود آپ کی توجہ کو اپنی طرف مبذول نہ کرسکا تو ندائے غیب نے ان الفاظ میں شیطان کے مقابلہ میں آپؑ کی فتح مبین کا اعلان کیا کہ: "انت زین العابدین" (بے شک تم بزم عابدین کی زیب و زینت ہو)

جہاد کی اسی داخلی شکل کی تعبیر مختلف انداز سے کی گئی ہے کہ کبھی عورت کے لیے شوہر کی بہترین خدمت کو جہاد کہا گیا ہے کہ اس خدمت کی راہ میں اکثر اوقات اپنے جذبات کو قربان کرنا پڑتا ہے اور دوسرے کی مرضی کو اپنی مرضی پر مقدم کرنا پڑتا ہے جو جہاد نفس کا اعلیٰ ترین درجہ ہے اور کبھی اسی جہاد نفس کے اعتبار سے وضع حمل کی زحمتوں کو شہادت اور بدل جہاد سے تعبیر کیا گیا ہے کہ یہ مرحلہ بھی میدان جنگ میں موت و حیات کی کشمکش سے کمتر نہیں ہے اور اس مرحلہ پر بھی عورت کو اسی منزل کشمکش سے گزرنا پڑتا ہے جس سے ایک سپاہی میدان جہاد میں گزرتا ہے اور اسی جہاد کے ذریعہ عورت مسلح مقابلہ کے لیے مجاہدین فراہم کرتی ہے، ورنہ یہ جہاد ختم ہوجائے تو میدان جنگ کے لیے مجاہدین کی سپلائی کا راستہ ہی بند ہوجائے۔

☆ مسلح جہاد کی دو قسمیں ہیں:

ابتدائی اور دفاعی جہاد

ابتدائی جہاد وہ خطرناک کام ہے جسے عرف عام میں جارحیت سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اسی لیے کوئی جارح اپنی جارحیت کو جہاد کا نام دینے کے لیے تیار نہیں ہے بلکہ سب اپنے حملے کو دفاع کا نام دیتے ہیں اور اس طرح ایک تلخ حقیقت پر شیریں کیپسول چڑھا دیتے ہیں۔

دنیا کے جس ملک کو دیکھا جائے بڑے سے بڑا جارح اور حملہ آور اور مفسد ملک بھی اپنے ملک میں وزارت جنگ قائم نہیں کرتا ہے بلکہ وزارت دفاع ہی قائم کرتا ہے اور جب ملکی بجٹ تیار کرتا ہے تو جنگی اخراجات کا نام نہیں لیتا بلکہ دفاعی اخراجات کا ذکر کرتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ابتدائی جنگ یعنی جہاد انتہائی خطرناک اور انتہائی بدنام مرحلہ ہے جس سے گزرنے کے لیے کوئی فرد یا جماعت یا ملک تیار نہیں ہوتا۔ لیکن نگاہِ انصاف سے دیکھا جائے تو ابتدائی جہاد اتنا غلط کام نہیں ہے جتنا غلط سمجھا جاتا ہے۔ بس فرق یہ ہے کہ اس کا استحقاق ہر شخص کو حاصل نہیں ہے، اس کے لیے کچھ خصوصیات ہیں جن کا فراہم ہونا بہرحال ضروری ہے۔

ابتدائی جہاد کی یہی خطرناک منزل تھی جس سے بچنے کے لیے مسلمان مورخین نے سارا زورِ تحقیق اس بات پر صرف کردیا کہ سرکار دوعالم ﷺ کے سارے اقدامات کو دفاعی ثابت کیا جائے اور کسی طرف سے ابتدائی اقدام کا احساس نہ ہونے پائے۔

یہ بات واقعات کے اعتبار سے بالکل صحیح ہے کہ سرکارؐ نے حتی الامکان دفاعی راستہ ہی اختیار کیا ہے اور ابتدائی جہاد کے راستہ کو ترک کردیا ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ سرکار دوعالم ﷺ کو یہ حق بھی حاصل تھا اور آپؐ اس راستہ کو بھی اختیار کرسکتے تھے جس کا اختیار کرنا دوسرے افراد یا ممالک کے لیے ناجائز اور حرام ہے اور اس کا راز یہ ہے کہ اسلام اس ایک واقعیت پر ایمان رکھتا ہے کہ یہ کائنات از خود نہیں پیدا ہوئی ہے بلکہ اسے خالق و مالک اور قادرِ مطلق خدا نے خلق فرمایا ہے اور جو کسی کا خالق و مالک

اور وجود دینے والا ہوتا ہے اس کا کم سے کم حق یہ ہوتا ہے کہ اس کا اقرار و اعتراف کیا جائے اور زندگی کو اس کی ملکیت تصور کرتے ہوئے ہر قدم پر اس کی اطاعت کی جائے بلکہ ضرورت پڑ جائے تو جانِ عزیز کو اس کی راہ میں قربان کر دیا جائے۔ اور اگر کوئی از راہِ نالائقی و بغاوت اس کی اطاعت سے سرکشی کرے یا اس کے وجود ہی سے انکار کر دے تو وجود دینے والے کو مکمل اختیار ہے کہ اپنی نعمت حیات کو واپس لے لے اور اس کی زندگی کا خاتمہ کر دے۔ یہ حق دوسرے کسی پیدا ہونے والے کو حاصل نہیں ہے۔ اس نے نہ وجود دیا ہے اور نہ اسے لینے کا حق ہی ہے۔ وہ زندگی کا خاتمہ کرنا بھی چاہے تو اس کے لیے جواز درکار ہے کہ اس کا کوئی احسان نہیں ہے اور سب اپنے اپنے گھر میں اپنے خالق کا احسان لے کر دنیا میں آئے ہیں۔

اسلام اور کفر یا دنیاوی نظاموں میں یہی فرق ہے کہ اسلام کا واضع ایک خالق و مالک ہے اور کسی نظام کا وضع کرنے والا کائنات کا خالق و مالک نہیں ہے اور اسے بنیادی طور پر نہ کسی پر حق اطاعت حاصل ہے اور نہ کسی بغاوت کرنے والے سے زندگی سلب کر لینے کا حق ہے۔

رسولؐ اور امامؑ خدائے مالک و مختار کا نمائندہ ہوتا ہے لہٰذا اسے خدا کی طرف سے یہ اختیار حاصل ہوتا ہے کہ جب تک انسان خدا کا اعتراف اور اس کی اطاعت کرتا ہے اسے زندہ رہنے کا حق دے اور جب انسان مالک کی بغاوت پر آمادہ ہو جائے تو اس کی زندگی کا خاتمہ کر دے اور اسی لیے اسلام نے ابتدائی جہاد کے لیے نبی اور امام کی شرط لگائی ہے اور جہاد کے آغاز کے لیے دعوت الی اللہ کو ضروری قرار دیا ہے تاکہ مکمل طور پر یہ اندازہ لگایا جاسکے کہ انسان باغی ہے یا نہیں اور اس کو مالک کے وجود کا اقرار ہے یا نہیں۔ اگر مالک کے وجود کا اقرار ہے اور اطاعت میں کوتاہی کی ہے تو سزا دے، تنبیہ کرے، راہِ راست پر لے آئے اور اطاعت کا پابند بنائے اور اگر اصل وجود کا انکار کر دے تو جس کا خالق نہ رہے اس مخلوق کو رہنے کا کیا حق ہے کہ مخلوق کا وجود خالق کے کرم ہی کا نتیجہ ہوتا ہے۔

ایسی صورت حال میں ہمیں سرکار دو عالم ﷺ کے مجاہدات کو دفاعی ثابت کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور آپ کو ابتدائی جہاد کا مکمل حق حاصل ہے اور یہ بات ہے کہ آپ نے حالات کے پیشِ نظر اس حق کو استعمال نہیں کیا اور ہمیشہ مدافعانہ کارروائی کرتے رہے۔ اس کا واحد راز یہ تھا کہ آپ کے پیشِ نظر یہ نکتہ بھی تھا کہ دنیا کا ہر انسان نہ خالق و مالک کا قائل ہے اور نہ اس کے حق کو پہچانتا ہے، خصوصاً کافر و مشرک جس سے جہاد کرنا ہے وہ تو یکسر اس حقیقت سے غافل یا متجاہل ہے۔ اس کے سامنے ایسے حقوق کو استعمال کیا گیا تو وہ الزام تراشی اور جارحیت کے پروپیگنڈے کا بہترین موقع تلاش کر لے گا اور کوئی غیر جانبدار اس نکتہ پر غور کرنے کی زحمت بھی نہ کرے گا کہ مجھے وہ حقوق بھی حاصل ہیں جو دوسرے انسانوں کو حاصل نہیں ہیں کہ سب قومی اور سیاسی لیڈر ہیں اور میں خدائے قادر و قاہر کا نمائندہ ہوں۔ قومی لیڈروں کو صرف وہی اختیارات حاصل ہوتے ہیں جو قوم ان کے حوالے کرتی ہے اور ظاہر ہے کہ طلب حیات کا اختیار صرف خدائے قادر و مختار کو حاصل ہے اور کسی قوم اور ملت کو حاصل نہیں۔

اس سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ بعض

مسلم مورخین کا یہ خوف کہ سرکار دو عالمؐ کے کسی اقدام میں ابتدائی جہاد کی جھلک پیدا ہوگئی تو ظلم کا الزام لگ جائے گا یا ان کا یہ انداز تحریر کہ اپنے کو ملزم سمجھ کر ہر غزوہ اور جنگ کی صفائی دیں اور اس میں کسی نہ کسی شکل میں مدافعانہ انداز پیدا کیا جائے حقائق سے ایک قسم کی ناواقفیت ہے یا ذہنی احساس کمتری ہے کہ دنیا کے نادان ارباب عقل راضی ہوجائیں اور وہ سرکارؐ کے عمل کو صحیح اور جائز قرار دینے لگیں۔ حالانکہ ہر مُسلمان مورخ اور سیرت نگار کا فرض تھا کہ پہلے اس نکتہ کی وضاحت کرتا کہ سرکار کو خدائی نمائندہ ہونے کے اعتبار سے ابتدائی حملہ کا حق حاصل تھا اور آپ جس وقت بھی یہ حق استعمال کرتے حق بجانب ہوتے لیکن آپ نے مصالح اور حالات کے پیشِ نظر اپنے حق کو استعمال نہیں کیا اور آخر امکان تک صبر کرتے رہے اور جب صبر سے کام بگڑتا ہوا دکھائی دیا تو میدانِ دفاع میں رکھ دیا۔

جہاد اور دفاع کا فرق

اصطلاحی اعتبار سے ابتدائی حملے کا نام جہاد ہے اور جوابی کارروائی کا نام دفاع۔ لیکن حقیقت کے اعتبار سے جہاد بھی حق سے دفاع اور دفاع بھی حق کی راہ میں ایک جہاد کا نام ہے۔

جہاد کرنے والا اس وقت جہاد شروع کرتا ہے جب ظالمین رب العالمین کے وجود کا انکار کرتے ہیں۔ اس کے اصول حیات کو باطل و بیکار قرار دینا چاہتے ہیں اور اس کے نظام کو لاطائل قرار دے کر اس کے مقابلہ میں دوسرے نظام کو قابل عمل تصور کر لیتے ہیں اور دفاع کرنے والا بھی ساری جدوجہد اسی راہ میں صرف کرتا ہے کہ کسی صورت سے حق کا بول بالا رہے اور اسلام خطرات کا شکار نہ ہونے پائے۔

جہاد کے لیے نبی یا امام کی رہبری ضروری ہے۔ ان کے علاوہ کسی کے پاس اتنی صلاحیت نہیں ہوتی کہ وہ اس صحیح وقت کی تعیین کر سکے جب اس طرح کا میجر آپریشن جائز ہو جائے اور انسانی خون کا بہانا قانون کے حدود کے اندر آجائے اور بغاوت کا پیمانہ اس طرح لبریز ہو جائے کہ اس کا علاج اس آپریشن کے علاوہ کچھ اور نہ رہ جائے۔

دفاع کے لیے کسی کی رہبری یا موجودگی شرط نہیں ہے، جس پر وقت پڑے گا اس پر دفاع واجب ہو جائے گا۔ یہ اور بات ہے کہ دفاع کی بھی دو قسمیں ہوتی ہیں۔

شخصی دفاع اور مذہبی دفاع

شخصی دفاع کا مطلب یہ ہے کہ انسان ذاتی طور پر کسی مصیبت میں گرفتار ہو جائے، چور گھر میں گھس آئے، ڈاکو گھیر لے، قاتل حملہ آور ہو جائے اور جان، مال یا آبرو خطرہ میں پڑ جائے تو ہر شخص کا ذاتی فریضہ ہے کہ ذلت کے راستہ کو ترک کر کے مقابلہ کرے اور حتی الامکان اپنے جان و مال اور آبرو کا تحفظ کرے، چاہے اس راہ میں ظالم کی زندگی کا خاتمہ ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔ البتہ اگر اپنی زندگی خطرہ میں پڑ جائے تو دفاع میں حکمت کا استعمال کرے کہ اسلام مال کی راہ میں جان قربان کرنے کی اجازت نہیں دیتا ہے اور یہ فکر کرنے کی دعوت دیتا ہے کہ جان سے زیادہ عزیز کوئی شے نہیں ہے اور جان ہی باقی نہ رہ گئی تو مال رہ کر کیا کرے گا۔

(از "نقوشِ عصمت" صفحہ ۶۹ تا ۷۴)

☆

جناب مُختار سنہ ۱ھ میں شہر طائف کے ایک محترم گھرانہ میں پیدا ہوئے۔ باپ ابوعبیدہ اور ماں دومہ بنت وہب بن عمر بن مُحبّ تھیں، جنھوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد خدا کے دین کے فروغ واستحکام میں اپنی گراں قدر خدمات کے ذریعہ مُسلمانوں کے درمیان اہم مقام حاصل کیا۔

ولادت سے قبل ماں نے خواب دیکھا تھا: "تمھارا بچہ قبل اس کے کہ سن بالا کو پہنچے حوادث کی آغوش میں پل کر شجاع اور بے خوف ہو جائے گا اور بہت سے لوگ اس کی ہمراہی کریں گے"۔ ماں کی زبانی یہ مژدہ سن کر پورا گھر سرور و شادمانی میں ڈوب گیا۔

جنابِ مُختار کا قبیلہ "ثقیف" شہر طائف کے سرداروں میں دولت وثروت، شجاعت وجواں مردی اور عزت ووقار میں شہرت رکھتا تھا اور ایک خاص احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اور عربوں کے درمیان مکہ کے قریش کے بعد طائف کے قبیلہ ثقیف کو دوسرے نمبر پر رکھا جاتا تھا۔

قبیلہ ثقیف میں سب سے پہلے اسلام لانے والے عروہ بن مسعود ہیں جو جناب مُختار ثقفی کے چچا تھے۔ آپ جنگ حنین کے بعد جب لشکر اسلام نے طائف کا محاصرہ ترک کر دیا تو خود سے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں آکر اسلام لائے اور کچھ عرصے بعد مدینہ سے طائف واپس آکر اسلام کی تبلیغ شروع کی۔

جناب مُختار کے والد ابوعبیدہ نے اپنے بھائی عروہ کے بعد اسلام قبول کر لیا تھا لیکن خلافت کے دوسرے دور میں طائف سے مدینہ آئے اور یہیں سکونت اختیار کر لی (بلاذری) انساب الاشراف جلد ۵ صفحہ ۲۱۴، مسعودی مروج الذہب جلد ۲ صفحہ ۳۱۵ جناب مُختار کی ماں دومہ بن وہب جو صاحب اعلام النساء۔ عمر رضا کحالہ کے بقول تاریخ اسلام کی ایک ممتاز شخصیت، اچھی خطیب اور تدبر ودانائی کی مالکہ تھیں اور حسنِ کردار کی بنا پر دومۃ الحسناء کے لقب سے معروف تھیں۔

ایسے بہادر باپ اور دلیر ماں کے فرزند مُختار ثقفی کے حالاتِ زندگی مُسلمانوں کی بے توجہی کا شکار رہے ہیں۔ بچپن سے متعلق تاریخ خاموش ہے پھر بھی تاریخی اوراق میں چند واقعات کی طرف اشارہ ہوا ہے۔

بحارالانوار کے حوالے سے کتاب "مُختار ثقفی" میں ملتا ہے کہ ایک دن باپ کے ہمراہ علیؑ بن ابی طالبؑ کی خدمت میں شرفیاب ہوئے تو علی علیہ السلام نے ان کو اپنے زانو پر بٹھایا اور سر پر دستِ شفقت پھیرتے ہوئے فرمایا: "یاکیس یاکیس"۔ یعنی اے ذہین وہوشیار۔ بعض نے "کیّس" تشدید کے ساتھ لکھا ہے جو بہت زیادہ ذہین کے معنی میں ہے۔ بہر حال یہ خطاب مستقبل میں جناب مُختار کی ذہانت وفراست کی علامت بنا۔

بچپن میں جناب مُختار امام حسین علیہ السلام خُصُوصاً جناب مسلم بن عقیل سے بہت زیادہ مانوس تھے۔ تیرہ یا چودہ سال کی عمر میں باپ کے ساتھ ایران کے خلاف جنگی مورچے پر بھی موجود تھے۔

ایران کے خلاف جنگ کے بعد مُختار اپنے وطن طائف واپس نہیں گئے۔ مدینہ منورہ میں جوارِ قبر پیغمبرؐ میں رہنا پسند کیا اور بنی ہاشم سے انسیّت پیدا ہوگئی۔ چنانچہ امیرالمومنین علیہ السلام کی خدمت میں باریاب ہوکر قرآن کریم، نبی اکرم ﷺ کی احادیث اور تعلیماتِ اہل بیتؑ سے بھرپور استفادہ کیا۔

علی بن ابی طالب علیہ السلام کی امامت وولایت پر ایمان رکھتے تھے اور گیارہ سال کی عمر میں نبی اکرم ﷺ کی زبانی میدانِ غدیرخم میں امیرالمومنینؑ کی ولایت کا اعلان خود اپنے کانوں سے سنا تھا اور بڑی سختی کے ساتھ مولائے کائنات کو اپنا مولا سمجھتے تھے اور جب حضرت علی بن ابی طالبؑ کے گھر پر مُسلمانوں نے ٹوٹ کر حضرت علی کی بیعتؑ کی ہے اور تمام مُسلمانوں نے انھیں خلیفہ تسلیم کیا ہے اس وقت بھی لوگوں کے درمیان جناب مُختار موجود تھے اور انُھوں نے بھی حضرت علیؑ کی بیعت کی تھی۔

جس وقت مُغیرہ بن شُعبہ کو کوفہ کی گورنری سونپی گئی جناب مُختار معارف اہل بیتؑ سے آشنائی کے لیے مدینہ گئے اور خاندان پیغمبرؐ خُصُوصا محمد بن حنفیہ سے بہت قریب رہے اور اہل بیتؑ کے فضائل میں بہت سی حدیثیں سنیں اور یاد کیں اور جب کوفہ واپس ہوئے تو فضائل اہل بیتؑ خُصُوصاً امام حسینؑ کی حقانیت کی باتیں کرنے لگے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ: خاندانِ پیغمبرؐ دوسرے تمام افراد سے لوگوں کی قیادت وحکومت اور نبی اکرم ﷺ کی جانشینی کے لیے زیادہ سزاوار ہے وہ اموی حکومت کے دوران خاندان رسول پر ڈھائی جانے والی مُصیبتوں سے بہت زیادہ ناراض اور متاثر تھے۔

جناب مُختار امام حسینؑ کی شہادت کے بعد امام زین العابدینؑ کی امامت پر یقین واعتبار رکھتے تھے۔ آیت اللہ محمد کی مدرسی کے بقول: مُختار نے امام سجادؑ کے دورِ امامت میں انقلاب برپا کیا۔ تاریخی شواہد کی بنیاد پر مُختار امام زین العابدین علیہ السلام سے گہرا ارتباط رکھتے تھے، یہاں تک کہ وہ امام علیہ السلام کی جزئیاتِ زندگی سے آگاہ تھے۔

جناب مُختار کے یہاں خود اعتمادی اپنے پورے وجود کے ساتھ جلوہ گر تھی، جو کام کرتے سوچ سمجھ کر کرتے اور ہر مسئلے کے تمام پہلوؤں کو سامنے رکھ کر فیصلے کیا کرتے تھے۔ اسی لیے اپنے مقاصد میں کامیاب ہوئے اور اپنے زمانے کے تمام گروہوں اور جماعتوں میں چاہے وہ شیعہ ہوں یا خوارج توابین ہوں یا مجاہدین بڑی حد تک مقبول وموثر قرار پائے۔

حیات الامام الحسینؑ کے مؤلف باقر شریف قریشی نے جناب مُختار کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے: مُختار تاریخ اسلام میں عرب کی ممتاز ترین ومشہور ترین شخصیتوں میں شمار ہوتے ہیں، اپنے زمانے کے سیاسی اور معاشرتی حوادث میں انھوں نے اہم کردار ادا کیا ہے۔

☆ حضرت آیۃ اللہ شیخ بشیر حسین نجفی کے برادر بزرگ مولانا شیخ منظور حسین عابدی لاہور میں رضائے الٰہی سے وفات پا گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات بلند فرمائے اور پسماندگان کو صبر و اجر سے نوازے۔

ادارہ ''دقائق اسلام'' اور اراکین و پرنسپل جامعہ علمیہ سلطان المدارس سرگودھا حضرت آیت اللہ موصوف کی خدمت میں تعزیت پیش کرتے ہیں اور خود ان کی صحت و سلامتی کے لیے دعا گو ہے۔

☆ خواجہ افتخار مہدی خلف الرشید حکیم خواجہ یونس انصاری مرحوم سرگودھا میں رضائے الٰہی سے وفات پا گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ بجاہ النبیؐ و آلہ الطاہرین علیہم الصلوٰت والسلام۔

☆ جامعہ علمیہ سلطان المدارس کے سابقہ طالب علم حال نزیل نجفِ اشرف مولانا تصور حیات زاہدی کے والد گرامی پھلروان کہنہ ضلع سرگودھا میں انتقال فرما گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جوارِ معصومینؑ میں جگہ عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر کی توفیق عطا فرمائے۔

☆ جامعہ علمیہ سلطان المدارس سرگودھا کے گارڈ علی خان کی پھوپھی زاد بہن چکڑالہ ضلع میانوالی میں وفات پا گئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ کی بخشش فرمائے اور لواحقین کو صبر کی توفیق عطا فرمائے۔

☆ جامعہ علمیہ سلطان المدارس کے گارڈ ظل محمد کے ماموں مانگووال ضلع سرگودھا میں وفات پا گئے ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور ان کے خاندان کو صبر و اجر سے نوازے۔

التماسِ دُعا

جناب سید ریاض حسین شاہ آف چک نمبر 19 سرگودھا کچھ عرصہ سے بیمار ہیں۔ ان کی صحت یابی کے لیے اہل ایمان سے دعا کی اپیل کی جاتی ہے۔

جناب مولانا نذیر احمد صاحب آف گڑھ قائم فالج کے موذی مرض میں عرصہ سے مبتلا ہیں۔ ان کی صحت کاملہ کے لیے اہل ایمان سے دعا کی استدعا کی جاتی ہے۔

Registered No. (G) H.C/722
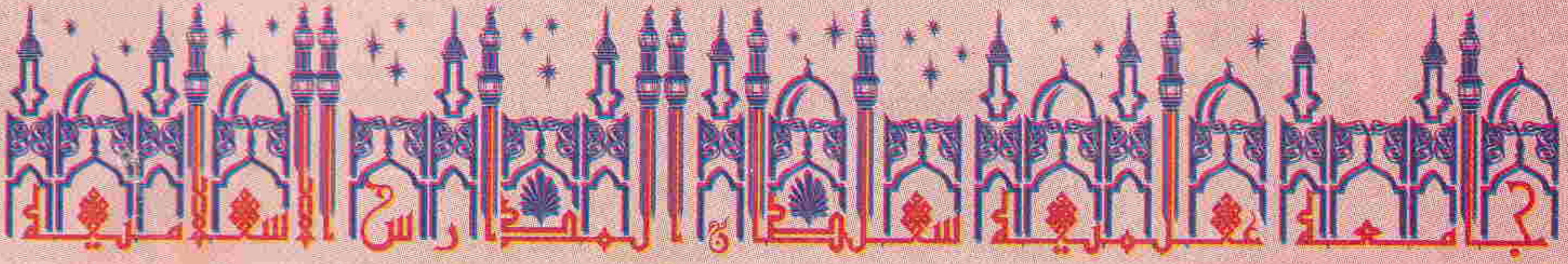
جامعہ علمیہ سلطان المدارس الاسلامیہ

زاہد کالونی عقب جوہر کالونی سرگودھا میں

نئے سال کا داخلہ شروع ہے

علوم دینیہ کے خواہشمند طلباء داخلہ لینے کے لیے

درج ذیل پتے پر رابطہ فرمائیں

پرنسپل جامعہ علمیہ سلطان المدارس الاسلامیہ

زاہد کالونی عقب جوہر کالونی سرگودھا • موبائل نمبر: 0301-6702646